بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلیجی بحران، آتش فشاں مستقبل

احتساب اور اعتصام بحبل اللہ کی ضرورت

کویت پر عراقی جارحیت اور خلیج میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوجی مداخلت، ۱۵ جنوری کے بعد اقوام متحدہ کا طاقت کے استعمال کی قرارداد اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والا عالم اسلام بالخصوص عرب ملکوں کا (خاکم بدہن) تباہ کن خطرناک اور بھیانک مستقبل اس صدی کا حادثۂ کبریٰ اور المناک سانحہ ہے۔ اس کی اگر کوئی قیمت ہوسکتی ہے تو یہی کہ ہم اس سے سبق حاصل کریں اور صحیح، یقینی، صاف اور بے غبار نتائج اخذ کریں۔

سردست ہم اس کے اسباب، پس منظر، مقاصد، اہداف اور اس کی تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اس کے ثمرات و مضرات، تنبیہات اور حاصل ہونے والے نتائج کی طرف کچھ اشارات عرض کرنا چاہتے ہیں۔

اوّلاً یہ کہ دین اور منصب نبوّت پر اعتماد اور نظام اسلامی کے نفاذ کے جذبات سے عاری بعض لادین اور ملحدانہ قیادتیں اپنے طے شدہ پروگراموں، سوچے سمجھے منصوبوں، دانستہ اور ارادی کارستانیوں اور اپنی ہی سازشوں کے نتیجہ میں اور بعض غفلت و تساہل اور مجرمانہ سکوت کے نتیجہ میں بری طرح ناکام اور اس وقت ایک عظیم امتحان اور آزمائش میں گھر چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عربوں کو میدان میں آنے اور اپنی بھرپور صلاحیتوں کو ہر لحاظ سے آزمانے کا پورا پورا موقعہ دیا اس میں دانا و بینا پروردگار کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عرب قیادتیں اپنے ترکش کا آخری بہترین، تیز ترین اور قوی ترین تیر بھی استعمال کر کے دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت یہ بھی رہی ہے کہ عرب ممالک اُن تمام بہتر سے بہتر وسائل سے مستفید ہوں جن تک فکرِ انسانی کی رسائی ہوسکتی ہے جن کا وجود روئے زمین پر ممکن ہے۔ قدرت نے کسی چیز میں بُخل نہیں کیا اور ان کی آرزوؤں میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ رائے عامہ کی تشکیل، ادب و صحافت کے استعمال، اداروں کی تنظیم اور نظریات و خیالات کی ترویج و اشاعت کے لیے ان کو جدید، بہترین اور مؤثر ذرائع اور وسائل مہیا کیے گئے مشیتِ ایزدی نے عالم اسباب میں قیادت کا میدان ان کے لیے خالی کر دیا اور بغیر کسی خطرہ یا

رکاوٹ کے پورے سازوسامان، ذہن ودماغ اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ ان کو اپنے جوہر دکھانے کے مواقع عطا فرمائے ـــــ مگر اس کے باوجود عرب حکومتیں باہمی خلفشار، منازعت و بے اعتمادی کے باعث آنے والے ایام میں پوری جگ ہنسائی اور خوفناک ہلاکت وتباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہیں (ولا فعلہا اللہ) اس کی مثال اگر "انسانی تاریخ" نہ بھی کہا جائے تو کم از کم "مسلم تاریخ" میں نہیں ملتی۔

○————○————○

قرآن وحدیث، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بالخصوص عرب قوم کے لیے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کے ساتھ مربوط رہیں اور اسی کے زیر سایہ ترقی کریں ـــــ مگر بدقسمتی سے عرب کے سیاسی سٹیج پر بہت سے مفاد پرست راہنما ایسے بھی نمودار ہوئے جنہوں نے عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت کی، اسلام اور محمدی تعلیمات اور دینی روح کو پردہ کے پیچھے دھکیل دیا۔ قدرت کی طرف سے بھی ان کو ڈھیل ملتی رہی اور جو اُن کے جی میں آیا وہ کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ موجودہ بھیانک صورتحال اور گھمبیر سیاسی ابتری میں گھر گئے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال اور آتش فشاں مستقبل کے پیش نظر تاریخ، عقل سلیم اور حوادث سے صحیح نتائج اخذ کرنے والا باشعور ذہن عراق، کویت اور سعودی عرب سمیت تمام عرب قیادت کو اس قسم کے ناکام تجربات اور جاہلیتِ قدیمہ کے خوفناک تاریخی محاربے دہرانے کی اجازت اور اس کا موقع ہرگز نہیں دے سکتا۔

○————○————○

ثانیاً بعض خود غرض اور مفاد پرست راہنما تو ایسے بھی ہیں جنہیں اب بھی حالات کی سنگینی اور اپنی عاقبت نااندیشی کا خیال تک نہیں جو اپنے اغراض اور خواہشات کی تکمیل میں کسی بھی اقدام کے کر گذرنے کو معیوب نہیں سمجھتے۔ جنہیں نہ دین ومذہب کا خیال ہے نہ انسانیت کا پاس، نہ افراد کی آزادی کا لحاظ، نہ دین ومذہب اور آخرت پر یقین، نہ اپنی اَنا اور ذاتی فوائد کے سامنے کسی قومی وملکی مصلحت کی فکر نہ دوسروں کے خیالات وافکار یا اصول وضوابط پر اعتماد! اس قسم کے راہنما اور سربراہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہیں اور انہی کی پاداش میں ہم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ اعمالکم عمالکم۔

اُن کی چکنی چپڑی باتیں سُنیے، ان کے ممالک کے کسی بھی مرکز سے دلنواز نشریات سُنیے، اخبارات میں شائع ہونے والی اُن کی وجیہ اور شکیل تصویریں دیکھئے، آپ تعجب کریں گے کہ یہ وجیہ اور بارُعب سورما! کیا اسرائیل؟ کیا امریکہ اور کیا رُوس؟ یا کسی بھی جارح سے شکست کھا سکتے ہیں؟

وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ | اگر تم ان کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو بھلے لگیں گے اور

وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ (منافقون ۴)	وہ کچھ کہیں تو تم ان کی باتیں سنو گے جیسے وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہر آواز اُن کے خلاف ہے، وہی دشمن ہیں ان سے محتاط رہو۔

قرآن حکیم کی اس آیت میں بہت سی مسلم اور عرب قیادتوں کی صحیح اور حقیقی تصویر پوری طرح مجسم شکل میں سامنے آجاتی ہے۔

خلیج کے حالیہ واقعات سے ملنے والا دوسرا سبق یہ ہے۔ قرآن کہتا ہے :-

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا ۔ (بقرہ ۔۔۔)	جب یہ قابو پاتے ہیں تو ان کی ساری سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلانے اور جان و مال برباد کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

ذرا خلیج کے ملکوں میں اندیشۂ ضیاعِ جان و مال پر نظر ڈالیے اور حکمرانوں کی خودسری اور خوفِ خدا سے عاری سیاسی معاملات اور روابط و ترجیحات کو سامنے رکھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے ہی اعمال ہیں جو آشیاں پر نظرِ آسمان کی تبدیلی کا باعث ہیں ؎

خدا سے خیر مانگو آشیاں کی
نظر بدلی ہوئی ہے آسماں کی

جب قوم کا احساس اتنا مُردہ ہو جائے کہ اسے فتح و شکست کا فرق ہی محسوس نہ ہو، اس کا شعور اتنا خام ہو کہ دوست دشمن میں تمیز نہ کر سکے، اسے نہ دشمن سے عداوت ہو نہ دوست سے محبت، تو ایسی قوم خود ہی اپنے لیے خطرہ اور اپنے آپ کی دشمن بن جاتی ہے۔ خود اعتمادی انسان کی بہترین دولت ہے مگر نام نہاد جمہوریتوں اور ترقی پسند قبادتوں نے مسلم اور عرب اقوام کو اس دولت سے بھی محروم کر دیا، ان کی خود اعتمادی جاتی رہی۔ فوج کا ایک سپاہی اگر تلوار نہ رکھتا ہو تو کوئی بات نہیں، بندوق نہ ہو کوئی حرج نہیں، گولیاں ختم ہو جائیں جب بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں، لیکن اگر اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، اپنے اصول و نظریات پر اعتماد نہ ہو، اپنے دین پر اعتماد نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اس قوم کو پہنچنے والا سب سے بڑا نقصان یہی ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

ثالثاً۔ خلیج کے بحران اور اس کے حل کے لیے بین الاقوامی سطح کی مساعی، بڑی طاقتوں کی دلچسپی اور عالمِ اسلامی کی زبوں حالی

اور تازہ ترین صورتحال کو سامنے رکھیے تو ہماری بالخصوص عرب اقوام اور ان کی قیادت کی مثال اُس کشتی کے سواروں جیسی ہے جس کے پیندے میں سوراخ ہو، پانی آرہا ہو لیکن کشتی کے سوار خیالی بحری قزاقوں سے بچنے کی فکر میں تو پریشان رہیں مگر اس سوراخ سے غافل رہیں۔ تو ایسی کشتی اور ایسے سواروں کا جو انجام ہوگا وہ کسی بھی ذی عقل سے مخفی نہیں۔

جب تک مسلمانوں کے طبائع پر جرأت بہادری، استقلال اور متانت کا اثر غالب رہا وہ دُھن کے پکے اور محنت و مشقت کے عادی رہے تو دنیا میں انہیں قیادت بھی حاصل رہی مگر جب سے ان کی ہمتوں اور ان کے عزائم میں گھن لگا انہوں نے ہوا و ہوس اور خواہشاتِ نفسانی کو چھوٹ دی، عیش و تنعم اور تفریحات کے وسائل و اسباب کی بہتات ہوئی، موسیقی، رقص و سرود، تصاویر اور جنسی جذبہ کو تسکین دینے والی اشیاء کی کثرت ہوئی، ہمارا پورا معاشرہ، پوری قوم اور حکمران اس فساد کا شکار ہوئے۔ لہو و لعب، رقص و سرود اور عیش و عشرت میں ڈوب گئے۔ ہنسی مذاق کو سنجیدگی اور متانت پر، دل بہلانے والے کاموں کو بہادری، مردانگی، عزیمت اور استقلال پر ترجیح دی جانے لگی۔ شمشیر و سنان کی جگہ طاؤس و رباب نے لے لی، تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ خلیج کا بحران ایسے ہی عوامل و محرکات کا نتیجہ اور اس سے پیدا ہونے والی تازہ صورتِ حال ہے ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

اب بھی وقت ہے کہ عالم اسلام بالخصوص عالم عرب کو اپنی غلطی لہو و لعب، کھیل کود، ناز و نعمت، تفریحات اور دلفریبیوں سے بھرپور زندگی میں تلاش کرنی چاہیئے۔ جس زندگی کا دار و مدار ان رنگینیوں، رعنائیوں اور دلفریبیوں پر ہو وہ کسی شدت، کسی خطرہ اور مشکل صورتحال کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس سے یہ اُمید کبھی نہیں کی جاسکتی اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ کسی بیرونی حملہ کا مقابلہ کرسے۔ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے خالی زندگی اور ھمارا تیز رفتاری کے ساتھ اور مسلسل و متواتر اخلاقی زوال یہی ہمارے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔

○———○———○

آج صرف عالمِ عرب ہی نہیں تمام عالمِ اسلام نام نہاد انقلابی راہنماؤں اور فوجی ڈکٹیٹروں اور بزعمِ خود مقدس قیادتوں کی بدولت ایک ایسے ذہنی، نفسیاتی اور سیاسی بحران سے دوچار ہوگیا ہے جس کی مثال ظہورِ اسلام کے بعد سے اس وقت تک نہیں ملتی۔ آج عرب دُنیا ایک نازک ترین اور فیصلہ کن دوراہے پر کھڑی ہے۔

موجودہ عرب قیادتیں جو صرف ماسکو اور واشنگٹن کی خیمہ بردار ہیں اگر اپنی اسی پالیسی پر گامزن رہیں اور خدا اور رسولؐ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے بجائے بھوکوں مرنے والے روس اور اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا فرعونی دعویٰ

کرنے والے امریکہ کی چوکھٹ پر سجدہ ریز رہیں اور اپنے آقایانِ ولی نعمت کے اشارۂ ابرو پر اپنے کسی بھی سیاسی مؤقف میں ملّتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے لچک پیدا نہ کر سکیں تو پھر خدانخواستہ نہ صرف یہ کہ قتل وخونریزی اور تباہی و ہلاکت کے وہ مناظر سامنے آئیں گے جو اب کسی کے تصور اور وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے بلکہ عرب دُنیا اسلام سے بھی اتنی دور ہو جائے گی کہ پھر اس کو دینِ توحید اور اسلام کے نظام کی طرف لانے کے لیے کسی معجزے کے ظہور اور کسی مسیحا نفس داعی اور مجدّد کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوگی۔

O———O———O

اب وقت ہے کہ عرب قیادت، عالم اسلام اور عامۃ المسلمین اپنا اور اپنے قائدین کا احتساب کریں۔ قومیں خود اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں۔ جب عملِ احتساب میں اخلاص ہو تو اس سے قومیں بڑی بڑی شکستیں کھانے کے بعد بھی سنبھل جاتی ہیں ـــــ جرمن قوم ایک تباہ شدہ ملک کے ملبہ کے نیچے سے زندہ و توانا نمودار ہوئی۔ جاپان نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے المیے کے بعد اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا، یہ سب بے لوچ اعتراف اور بے لاگ احتساب سے عمل میں آیا۔

ہمیں امید ہے کہ عالم اسلام کی بہی خواہ اور مؤثر ترین دینی و سیاسی قیادتیں پہلی ہی فرصت میں احتساب کا یہ فرض خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کریں گے۔ ایک غیر جانبدار نقّاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح ان تمام غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جن کی وجہ سے سنّت اللہ کے مطابق خلیج کی سنگین صورتِ حال اور خطرناک مستقبل سے ہمیں دوچار ہونا پڑا۔

خدا کرے کہ اس سلسلہ کے مؤثر اور فعال اربابِ حل وعقد بلکہ عالمی سطح کی دینی اور ملّی قیادتیں زندگی کی تبدیلی ' ایمانی قوت کے فروغ اور حقیقت پسندی کے اعتراف کے لیے حکمتِ عملی سے نشانِ راہ متعین کریں۔ اور اسلام کے ابدی آئین کی پابندی اور اس کی ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں خلیج کے بحران کے حل سمیت تمام باہمی تنازعات کے رفع کرنے کا مؤثر لائحہ عمل اختیار کریں۔ یہی ایک حل اور ایسا اصولِ مصالحت ہے جس کا تعلق عالم غیب سے بھی ہے اور عالم اسباب سے بھی ـــــ قطعِ منازعت اور رفعِ محاربت کے سفر کا آغاز جب بھی اس نسخۂ روحانی سے شروع کیا جائے گا اور کامیاب ہوگا تو پوری کائنات سے جبر و استبداد اور ظلم و تشدد کے ظلمات مرتفع ہو جائیں گے اور دُنیا پھر سے ایک بُقعۂ نور اور امن کا گہوارہ بن جائے گی۔

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

کیا عورت رکنِ پارلیمنٹ بن سکتی ہے؟

وزیر اعظم نواز شریف نے اپنی پہلی نشری تقریر میں قومی اسمبلی میں عورتوں کے لیے پھر سے نشستیں مخصوص کرنے کا عندیہ دیا تو پورے ملک میں اس کی حمایت اور مخالفت میں مفکرین، دانشوروں اور قومی قیادت کی آراء پریس میں چھپنے اور قوم کے سامنے آنے لگیں۔ دینی اور اسلامی نقطۂ نظر سے لوگوں کا تجسس بڑھا، بعض مذہبی جماعتوں کی طرف سے سکوت اور بعض نے حمایت کا اعلان بھی کر دیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہٗ نے وزیر اعظم کی تقریر کے دوسرے روز کھل کر اپنے اس مؤقف کا اظہار کیا کہ امام الانبیاء حضور رسید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ میں عورت مجلسِ قانون ساز کی رکن نہیں بن سکتی، اس لیے ہم ہر اس اقدام کی پُرزور مخالفت اور بھرپور مذمت کریں گے جو خدا و رسولؐ سے بغاوت پر مبنی ہو۔ عورتوں کو مجلسِ شوریٰ پاکستان میں پھر سے مخصوص نشستوں سے نوازنا اسی قبیل سے ہے لہٰذا حکومت کا یہ اقدام ہر لحاظ سے مذموم اور قابلِ نفرین ہے۔

آج کی نشست میں ہم دینی اور شرعی نقطۂ نگاہ سے اس امر کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں کہ عورتوں کو مجلسِ قانون ساز میں شریک کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور قومی و ملی، سیاسی اور دینی اعتبار سے اس کے مضرات کیا ہیں؟

ہم بحث کے آغاز میں یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کے لیے قرآن و حدیث اور اسلامی احکام کے بجائے اصل معیارِ حق صرف دنیا کی غالب قوموں کا طرزِ عمل اور مغربی طرزِ فکر ہے جنہوں نے ہر حال میں لادین مغربی جمہوریت، انبوہ کثیر اور مادیت ہی کی راہ چلنا ہے یا مادر پدر آزاد سیاست سے اپنے مفادات کا تحفظ حاصل کرنا ہے انہیں اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ اسلام کو بھی اپنے ساتھ ضرور لے کر چلیں، مگر اتنی اخلاقی جرأت کا مظاہرہ انہیں ضرور کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے مغربی مقتدار کا کھل کر نام لیں اور بلا وجہ دینِ اسلام کی طرف وہ باتیں منسوب نہ کریں جن سے خدا کی کتاب، رسولؐ کی سنت اور قرونِ مشہود لہا بالخیر کی تاریخ صاف صاف انکار کرتی ہیں۔

ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ عہدِ صحابہؓ میں خواتین بھی قانونی مسائل میں بحث کرتی تھیں، ان کی گفتگو اور اظہارِ رائے سے استفادہ کیا جاتا تھا، متعلقہ مباحث میں ان کے استنباط اور روایات کا اعتبار بھی کیا جاتا تھا۔

بلکہ بعض اوقات خود خلفاء اُن سے رائے لیتے، استفسار کرتے اور ان کی مشاورت اور رائے کا لحاظ کرتے تھے۔

موجودہ دور کے خود ساختہ مجتہدین، مجوزین اور نام نہاد مفکرین اسی کو مستدل بنا کر سامعین و قارئین کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں کہ آج قرآن و حدیث، سیرتِ رسولؐ اور اسلامی اصولوں کا نام لے کر اس قسم کی مجالس، قومی اسمبلی اور سینٹ میں عورتوں کی شرکت کو کیسے غلط کہا جاتا ہے ؟ —— لہٰذا سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر ہم موجودہ مجالس قانون ساز، قومی اسمبلی اور سینٹ وغیرہ کی صحیح نوعیت، دائرہ کار و اختیار پر بھی غور کریں جن میں عورتوں کے لیے سیٹیں مخصوص کرنے کے استحقاق پر ہم نے گفتگو کرنی ہے۔

جہاں تک پارلیمنٹ، مجلسِ شوریٰ یا قومی اسمبلی اور سینٹ یا مروجہ مجالس قانون ساز کی ہیئت، طریق کار اور کارکردگی کی نوعیت ہے تو سب جانتے ہیں کہ ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں ہے بلکہ عملاً ان کا کام پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرنا، وزیرِ اعظم کے انتخاب سے لیکر قومی و ملکی پالیسی، دفاع، تعلیم، صنعت، تعمیر اور ملکی نظم و نسق اور مالیات و معاشیات تک کے معاملات طے کرنا ہے، انہی کے ہاتھ میں داخلہ و خارجہ پالیسی اور صلح و جنگ کی زمامِ کار ہوتی ہے۔

اگر قدرے فکر و تامل سے کام لیا جائے تو دنیا بھر بالخصوص پاکستان کے طرزِ حکومت پارلیمانی اور مروجہ نظامِ سیاست میں پارلیمنٹ کا مقام محض ایک مجلسِ قانون ساز، محض ایک مجلسِ مشاورت یا ایک مفتی اور فقیہ کا کام نہیں ہے بلکہ اسے پورے ملکی نظام پر تسلط اور قوتِ قائمہ اور قوام حاصل ہے۔ قرآن کریم نے یہ منصب اور یہ مقام صرف مردوں کو دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ۔ (النساء ۳۴)	مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت اپنی نگہداشت کرتی ہیں۔

قرآن کریم نے صاف اور صریح لفظوں میں قَوَّامِیَّت کا مقام صرف مردوں کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کی بنیادی ذمہ داری اور خصوصیت کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ ایک یہ کہ وہ اطاعت شعار ہوں، دوسرے یہ کہ وہ مردوں کی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی حفاظت کریں جن کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرانا چاہتا ہے۔

عورتوں کے بارے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزت و احترام، اخلاقی معیار اور آخرت میں اجر و ثواب کے لحاظ سے برابر ہیں، مگر قدرت نے فطری تخلیق کے اعتبار سے دونوں کا دائرہ عمل علیحدہ علیحدہ رکھا ہے

سیاست نظم مملکت، فوجی خدمت اور اس طرح کے وہ تمام کام جو مرد کے دائرہ عمل سے تعلق رکھتے ہیں اس دائرہ میں عورت کو گھسیٹ کر لانا خانگی زندگی کو تباہ کرنے اور عورتوں پر ان کی حیثیت سے زیادہ بوجھ ڈالنے کے مترادف ہے۔ جس چیز سے یورپ خود بیزار ہو چکا ہے ہمیں آنکھیں بند کر کے اس کی حماقتوں کی نقل اتارنا ہرگز عقلمندی نہیں ہے۔

ہمیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ جنگ کے موقعوں پر عورتوں سے مرہم پٹی کا کام لیا گیا ہے، مگر کیا اس پر قیاس مع الفارق کرتے ہوئے امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں، کارخانوں، کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کرنے کے جواز کا کوئی فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟

یہ فطرت ہی نہیں کہ عورتیں مردوں کے دائرہ کار میں آ کر مردوں کے مقابلے میں کامیاب ہو سکیں، وہ اُن کاموں کے لیے بنائی ہی نہیں گئیں جو کام مرد کے حوالے کیے گئے ہیں، ان کاموں کے لیے جن اخلاقی، ذہنی اور عملی اور قوی و اعضاء اور مختلف اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ مرد میں پیدا کیے گئے ہیں۔

بعض لوگوں نے اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ کا مصداق زوجین کی خانگی معاشرت قرار دی ہے حالانکہ آیت مُطلق ہے اور اس میں فی البیوت کی کوئی قید نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حکم خانگی معاشرت تک محدود ہے تو پھر بھی ہمیں دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے گھر میں قوام نہیں بنایا بلکہ آیت میں اسے قنوت (فرمانبرداری و اطاعت شعاری) کے مقام پر رکھا گیا ہے تو اسے قنوت کے درجہ عفت سے اٹھا کر ایک ملک کے تمام گھروں اور مملکت کے نظام پر قوامیت کے منصب پر کیونکر بٹھایا جا سکتا ہے حالانکہ گھر کے اقتدار و حاکمیت سے مملکت کا اقتدار اور حاکمیت زیادہ بڑی اور اونچے درجہ کی ذمہ داری ہے۔ قرآن کریم کے اس واضح اعلان کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے نادان دوست سیاست اور ملک داری کو کیسے عورت کے دائرہ کار میں لانے پر مُصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کے دائرہ عمل کا تعین کرتے ہوئے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰی۔ (احزاب ۳۳)	اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہو اور پچھلی جاہلیت کے سے تبرج (بن سنور کر ناز و ادا کے ساتھ نکلنے) کا ارتکاب نہ کرو۔

یہ حکم سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دیا گیا تھا حالانکہ وہ اللہ ہی کی منتخب کردہ پاکیزہ خواتین تھیں اور ظاہر ہے کہ نبیؐ کے گھر کی خواتین میں ہرگز کوئی ایسا عیب اور نقص نہیں تھا جس کی وجہ سے انہیں بیرونِ خانہ کی ذمہ داریوں کے لیے نااہل قرار دیا جاتا۔ اور نہ یہ کوئی ایسی حقیقت ہے کہ دوسری خواتین کو

سیاست و ملک داری کے لحاظ سے ان پر کوئی فوقیت حاصل تھی ـــــــ اور نہ یہ مفروضہ قابلِ اعتناء ہے کہ یہ حکم اہلِ بیت نبوت کے ساتھ خاص تھا اور دوسری تمام مسلمان خواتین کو تبرّج جاہلیّت کی اجازت تھی۔

عورت کا دائرہ عمل کیا ہونا چاہیئے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیے؟

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ۔ (ابوداؤد)	اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی راعیہ ہے اور وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔

قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کی واضح نصوص کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے اور اسلامی تعلیمات اور صریح احکام کا انکار کرتا ہے تو ہمیں اس کے ایمان میں شک ہے۔ اُسے اوّلاً اپنا اسلام ثابت کرنا ہوگا۔ یہ بحث تو دوسرے درجے پر آتی ہے کہ آیا ایسے شخص کو ایک اسلامی ریاست کے لیے دستور بنانے کا مجاز تسلیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ اپنے اقوال اور انکار سے اسلام کی سرحد کو پاٹنے کی تیاری کر بیٹھا ہے۔

دوسرا یہ کہ جنہیں بھی خدا و رسولؐ کی تعلیمات اور احکام سے قدرے آگاہی حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام نے اصولی طور پر مخلوط سوسائٹی کو مسترد اور ممنوع قرار دیا ہے۔ خاندان کے استحکام کو اہمیت تب ہی دی جا سکتی ہے جب عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ختم کر دی جائے۔ مخلوط نظامِ تعلیم، مخلوط نظامِ ریاست کے بدترین نتائج مغربی ممالک میں ظاہر ہو چکے ہیں ـــــــ اگر ہمارے ملک کے اربابِ بست و کشاد خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کو بالائے طاق رکھ کر مغرب کی مخلوط سوسائٹی کے بدترین نتائج کو اسلامیانِ پاکستان پر بھگتوانا چاہتے ہیں اور عوام چپ سادھ کر آنکھیں بند کر کے بھگتنا چاہتے ہیں تو بڑی خوشی سے یہ شوق پورا کریں مگر اس حرکت کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی کہ اسلام میں مخلوط سوسائٹی کے جواز کی زبردستی گنجائش نکال دی جائے جس سے شدت سے اس نے منع کیا ہے۔

بعض حضرات مسلم وغیر مسلم چند گنتی کی حکمران یا سیاست دان خواتین کا نام لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں مگر دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو تو کیا وہاں تمام خواتین موزوں ہو سکیں گی؟

مخلوط نظامِ تعلیم اور مخلوط نظامِ سیاست کے بدترین مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آ چکے ہیں کہ اب صرف عقل کے اندھے، بصیرت سے محروم اور بصارت سے کورے ہی ان کا انکار کر سکتے ہیں۔

نظامِ سیاست اور ریاست کے قوام کے تمام اختیارات قرآنِ حکیم نے صریح الفاظ میں صرف مردوں کو دیئے ہیں اور دنیا کا کوئی قانون، کوئی مجتہد اور فقیہ، کوئی عدالت اور اتھارٹی اور کوئی وزیرِ اعظم یا پارلیمنٹ اس میں مداخلت یا ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتی ـــــــ بلکہ قرآن و حدیث کے نصوص اس باب میں قطعی اور محکم ہیں کہ

نظامِ سیاست اور نظامِ ریاست میں ذمہ داری کے مناصب صدارت و وزارت ، مجالسِ قانون ساز یا مجلسِ شوریٰ کی رکنیت اور مختلف محکموں کی ادارت یا کسی سیاسی پارٹی کی قیادت عورتوں کے سپرد کرنا ممنوع اور شرعاً جرم ہے۔ لہٰذا کسی بھی اسلامی ریاست اور اسلامی مملکت کے دستور میں عورتوں کو مذکورہ عہدے ، مناصب یا ذمہ داریاں دینا اور اس کے لیے قانونی گنجائشیں بنانا نصوصِ صریحہ اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے ـــــ جو مملکت بھی اسلام کے اساسی نظریہ پر قائم ہوئی ہو اور خدا کی اطاعت اور رسول ؐ کی فرمانبرداری کی پابندیاں قبول کرنے پر رضامند ہو تو وہ ایسی کسی بھی خلاف ورزی کی شرعاً مجاز نہیں ہے ۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ چند سر پھرے قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف قوانین بنانے کی حمایت کرنے اور ہذیان بکنے لگیں ـــــ جہاں تک حقیقتِ واقعہ کا تعلق ہے تو پوری اسلامی تاریخ عہدِ رسالت ؐ اور عہدِ صحابہؓ سے لے کر اس صدی تک اس غلیظ تصور سے نا آشنا رہی ہے کہ مرد و زن حکومت و اقتدار اور ملکی نظامِ سیاست کے زمامِ کار میں برابر کا کام کر سکتے ہیں ـــــ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنے والوں نے کبھی عقل و بصیرت سے کام لے کر اور آنکھیں کھول کر یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ یورپ میں اس اختلاطِ مرد و زن کا پس منظر کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے بُرے نتائج رونما ہوتے ہیں ۔

ہمیں حیرت ہے کہ پاکستان میں عورتوں کی سیاست جس بری طرح ناکام رہی اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آئندہ یہ مطالبہ زبان پر بھی نہیں لانا چاہیئے ، مگر کون سمجھائے یہاں تو زہرِ قاتل کو آبِ حیات کہنے والے کے بھی حامی پیدا ہو جاتے ہیں ۔

آخر میں اپنے ملک کے اربابِ اختیار اور ملک کے ان تمام سیاست کار حضرات جو دل میں ادنیٰ سی بھی ایمان کی رمق باقی رکھتے ہیں ، سے دردمندی سے یہ گذارش کرنی ہے کہ جناب ! جب اسلامی حکومت بھی اختلاطِ مرد و زن ، مخلوط نظامِ تعلیم ، مخلوط پارلیمنٹ ، مخلوط نظامِ سیاست میں یا کھیلوں کی نمائشوں ، ڈراموں ، رقص و سرود اور مقابلۂ حُسن وغیرہ میں مسلمان عورتوں کو لاتے یا ایئر ہوسٹس بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی خدمت ان سے لے تو مجھے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ پھر اسلامی حکومت کے قیام ، اسلامی ریاست کی تشکیل اور نظامِ شریعت کی تحریک و نفاذ کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ یہ سارے کام تو کفر اور کفار اور اغیار کی حکومتوں میں بآسانی ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہو رہے ہیں ۔

تحریر:- ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم
ترجمہ:- عبدالحی ابڑو - بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سیرت نبویؐ کی خصوصیات
اور
بنیادی مآخذ

سیرت نبویؐ کی بے شمار خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے سیرت طیبہ کے مطالعے سے انسان کو روحانی فکری اور تاریخی لحاظ سے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے۔ علماء، داعیانِ حق اور اجتماعی اصلاح کے کام میں مشغول افراد کے لئے سیرت کا مطالعہ اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے کٹھن مراحل میں ہدایت و رہنمائی اور اطمینان وسکون میسر آئے۔ اور وہ لوگوں کے درمیان جب دعوت دین کا کام سرانجام دیں تو لوگوں کے دیدہ و دل ان کے لئے فرشِ راہ ہوں اور ان کی دعوت کے ذریعے اس کے مقاصد کا حصول ممکن اور آسان ہو سکے۔ سیرت طیبہ کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:-

۱- سیرت طیبہ خدا کے نہایت جلیل القدر پیغمبر کی ایک مستند تاریخ ہے۔ بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سند اور ثبوت کے لحاظ سے نہایت مستند علمی ذرائع سے ہم تک پہنچی ہے۔ سیرت کے نمایاں پہلو اور واقعات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں ان من گھڑت واقعات اور معجزات وغیرہ کو بھی چھانٹ کر الگ کیا جا سکتا ہے جو بعد کے زمانے میں جہالت کی وجہ سے سرکار رسالت مآبؐ کی طرف اس غرض سے منسوب کئے گئے کہ آپ کی ذاتِ گرامی کو اس مقام سے اوپر اٹھایا جائے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم مرتبہ اور پاکیزہ سیرت دے کر فائز فرمایا ہے۔

سیرت طیبہ کا مستند اور کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہونا ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے جو پچھلے انبیاء اور رسولوں میں سے کسی نبی کی سیرت میں نہیں پائی جاتی۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے واقعات یہودیوں کی تحریف اور کمی بیشی کی نذر ہو گئے۔ جس کی وجہ سے موجودہ توریت سے ان کی مستند سیرت نکالنے کی گنجائش نہیں کی جا سکتی۔ خود کئی یورپی ناقدین نے توریت کے بعض اجزا کی صحت کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات نے یقین سے کہہ دیا ہے کہ اس کے بعض اجزا حضرت موسیٰؑ کی زندگی میں

یا ان کی وفات کے بعد کے فوری زمانے میں لکھی ہی نہیں گئے تھے بلکہ ان کی تالیف بہت بعد میں ہوئی ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا مؤلف کون ہے۔ توریت میں وارد شدہ ان کی سیرت کے غیر مستند ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے لہذا کسی مسلمان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان کی سیرت کے صرف اتنے حصے کے درست ہونے پر ایمان رکھے جو قرآن کریم یا سنت صحیحہ میں بیان ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ انجیل کے جن اجزاء کو مسیحی کلیسا باقاعدہ طور پر تسلیم کرتی ہے۔ ان کا حال یہ ہے کہ حضرت مسیح کی وفات کے سینکڑوں سال بعد انہیں وضع کیا گیا تھا اور عیسائیوں میں پھیلے ہوئے سینکڑوں نسخوں میں سے بغیر کسی علمی دلیل کے صرف انہی کا انتخاب کیا گیا۔ اس پر مستزاد خود ان کے مؤلفین کی طرف ان کی نسبت بھی کسی سائنٹیفک طریقے سے ثابت نہیں اس لئے کہ مؤلفین تک ان کی کوئی متصل اسناد موجود نہیں۔ پھر مغربی ناقدین کا ان حضرات کے ناموں اور ان کے زمانوں کے بارے میں بھی باہم اختلاف ہے۔

اگر دنیا میں پھیلے ہوئے مختلف ادیان کے پیامبر رسولوں کی سیرت کا حال یہ ہے تو پھر دیگر مذاہب کے بانیوں اور فلسفی حضرات بدھ اور کونفیشس وغیرہ کی سیرتوں میں تو شک کی بنیادیں اور زیادہ مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ان کی سیرتوں کے بارے میں ان کے پیروکار جو روایت نقل کرتے ہیں علمی تحقیق کی رو سے ان کی کوئی قابل اعتماد بنیاد نہیں ملتی۔ ان کی بنیاد صرف اتنی ہوتی ہے کہ مذہبی پیشوا انہیں ایک دوسرے کو سناتے رہتے ہیں۔ ہر نسل پچھلی نسل کے مقابلے میں چند من گھڑت قصے کہانیاں ان میں شامل کرتی رہتی ہے جنہیں تعصب سے پاک آزاد عقل کبھی نہیں کر سکتی۔

اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ ملاوٹ سے پاک اور اسناد کے لحاظ سے تواتر کے ساتھ ثابت شدہ سیرت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام پہلو آپ کے والد حضرت عبداللہ کے حضرت آمنہ سے نکاح کے وقت سے لے کر آپ کی وفات تک مکمل طور پر وضاحت کے ساتھ ملتے ہیں۔ آپ کی ولادت، بچپن، جوانی، نبوت سے قبل ذریعہ معاش اور مکہ سے باہر کے سفر سے لے کر آپ کی بعثت تک کے حالات کے متعلق اچھی خاصی معلومات اور اس کے بعد نہایت تفصیل کے ساتھ سال بہ سال حالات و واقعات سیرت موجود ہیں۔ اس بنا پر آپ کی سیرت طیبہ آفتاب کی مانند واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ایک مغربی ناقد نے بجا طور پر کہا ہے کہ:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی وہ اکیلے شخص ہیں جو سورج کی روشنی میں پیدا ہوئے"۔

یہ بات پچھلے انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی میسر نہیں آئی۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن، جوانی

اور نبوت سے پہلے ان کے وسائل رزق و معاش کے بارے میں کوئی چیز نہیں ملتی۔ نبوت کے بعد ان کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات مل جاتی ہیں لیکن وہ اتنی جامع نہیں کہ اس سے ان کی شخصیت کی مکمل منظر کشی ہو سکے۔ یہی چیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ ہمیں ان کے بچپن کے متعلق صرف موجودہ انجیل کے اجزا میں یہ بات لکھی ہوئی ملتی ہے کہ آپ ایک مرتبہ یہودیوں کے ہیکل میں آئے اور علمائے یہود سے بحث مباحثہ کیا۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ نبوت کے بعد کے حالات میں بھی صرف ان کی دعوت و تبلیغ سے متعلق چند پہلوؤں کا تذکرہ ملتا ہے ان کے طریقہ بود و باش کے متعلق بھی چند اشارات ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی چیزوں پر دھندلاہٹ چھائی ہوئی ہے۔

اس کے مقابلے میں سیرت کے مستند مآخذ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصی زندگی کی تمام باریکیاں تک لکھی ہوئی ملیں گی۔ جیسے آپ کا خورد و نوش، اٹھنا بیٹھنا، لباس، شکل و صورت، بولنے کا انداز، اپنے گھر والوں کے ساتھ رہن سہن، عبادت کا طریقہ، نماز کی کیفیت اور اپنے اصحاب کے ساتھ برتاؤ وغیرہ۔ باریکی کی انتہا ملاحظہ ہو کہ سیرت کے بعض راویوں نے آپ کے سر اور ریش مبارک میں سفید بالوں کی تعداد تک بیان کر دی ہے۔

۳۔ سیرت طیبہ ایک ایسے انسان کی سیرت کا عکس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ رسالت نے انہیں انسانیت کے رشتے سے الگ کیا نہ وہ من گھڑت قصے کہانیاں ان کی ذات گرامی سے پیوستہ کرنے کا سبب بنی اور نہ ہی ذرہ برابر بھی الوہیت کی صفات سے آپ کو متصف کیا۔ اگر اس کا موازنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کے متعلق عیسائیوں، بدھ کے متعلق ان کے پیروکاروں، اور بت پرستوں کی اپنے معبودان باطل کے بارے میں بیان کردہ روایات سے کیا جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت اور ان حضرات کی سیرتوں میں بڑا واضح فرق محسوس ہوگا۔ اس بات کا ان کے پیروکاروں کے معاشرتی اور انسانی کردار میں نمایاں اثر موجود ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بدھ کے لئے خداوندی کا دعوٰی کر کے انہیں اس بات سے بہت دور کر دیا گیا ہے کہ انہیں انسان کے لئے اس کی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں اسوہ اور نمونے کی حیثیت حاصل ہو۔ جب کہ سرکار رسالت مآب کی سیرت طیبہ ہمیشہ ہر اس شخص کے لئے ایک مکمل انسانی نمونہ پیش کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی جو اپنی ذات اپنے خاندان اور اپنے معاشرے میں خوشگوار طریقے سے اور باعزت زندگی بسر کرنا چاہتا ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ	بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک
اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو	بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم
اللہ والیوم الآخر (احزاب ۲۱)	آخر کا امیدوار ہو۔

۴۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے اس میں ایک طرف رسالت

سے سرفراز ہونے سے قبل ایک نوجوان، دیانت دار اور راست رو محمدؐ کی سیرت کی جھلک ملتی ہے تو دوسری طرف اللہ کی طرف بلانے والے ایسے رسولؐ کی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ جو اپنی دعوت کو پھیلانے کے لئے بہتر سے بہتر انداز کی تلاش میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ اپنے پیغام اور مشن کی ادائیگی کی خاطر اپنی انتہائی کوشش صرف کرتا ہے۔ اسی طرح شوہر اور باپ کی حیثیت سے بھی ان کی سیرت طیبہ کے گوشے ہمارے سامنے آتے ہیں اور آپ کے مشفقانہ طرز عمل، مثالی برتاؤ، شوہر، بیوی اور اولاد کے حقوق اور واجبات میں نمایاں امتیاز کی عکاسی ہوتی ہے اس کے علاوہ سیرت طیبہ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ مربی اور رہنما کی حیثیت سے آپ نے اپنے ساتھیوں کی کس طرح مثالی تربیت کی۔ اور اپنے اعلیٰ اخلاق کی جھلک اور کردار کی عظمت ان تک کیسے منتقل کی۔ جس کی وجہ سے وہ بھی ہر چھوٹے بڑے معاملے میں آپ کی پیروی کی کوشش کرتے رہے۔ دوست اور رفیق کے طور پر بھی آپ کی سیرت طیبہ کا ذکر ملتا ہے کہ آپ نے کس طرح رفاقت کے فرائض کو نبھایا اور اس کے آداب کا خیال رکھا جس کی وجہ سے آپ کے رفقائے کار آپ کی ذات گرامی سے خود اپنی ذات اور اپنے عزیز و اقربا سے زیادہ محبت کرنے لگے۔ اسی طرح سیرت طیبہ میں ہمیں بہادر، جنگ جو، فاتح جرنیل، کامیاب سیاستدان، کامیاب تاجر، مخلص پڑوسی اور اپنے معاہدات پر سختی سے کاربند فریق کے طور پر آپ کی ذات گرامی کا عکس نظر آتا ہے۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی سیرت طیبہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور زاویوں پر محیط ہے۔ اس بنا پر آپ کی ذات گرامی داعی حق، جرنیل، باپ شوہر، دوست، مربی، تاجر، سیاست دان اور حکمران سب کے لئے مکمل اسوہ اور جامع نمونہ ہے۔

ایسی یا اس سے قریب تر جامعیت ہمیں انبیائے سابقین اور مختلف مذاہب کے بانیوں یا جدید و قدیم فلسفیوں کی زندگی میں نظر نہیں آتی۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰؑ ایک قوم کے، ایسے لیڈر کی نمائندگی کرتے ہیں جس نے اسے غلامی سے نجات دلا کر اس کے لئے چند اصول اور قواعد مقرر کر دئے جو صرف اسی قوم کے کام آ سکتے ہیں۔ لیکن ان کی سیرت میدان کارزار میں برسرپیکار افراد، مربیوں، سیاستدانوں، حکمرانوں، باپوں اور شوہروں کے لئے کوئی نمونہ پیش نہیں کرتی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ ایک عابد و زاہد داعی کے طور پر سامنے آتے ہیں جس نے مال و متاع اور گھر بار حاصل کئے بغیر دنیا کو خیر باد کہا۔ عیسائیوں کے ہاں ان کی جو سیرت ملتی ہے اس کے مطابق وہ جنگ جو، جرنیل، حکمران، باپ یا شوہر اور قانون ساز کے طور پر نظر نہیں آتے اور نہ ان کی کوئی دوسری ایسی صفات ہمیں ملتی ہیں جو حضور اکرمؐ کی سیرت میں موجود ہیں۔ یہی بات بدھ، کونفشیوس، ارسطو، افلاطون نابلیون اور دیگر تاریخی مشاہیر کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اگر وہ اسوہ کی حیثیت رکھتے بھی ہوں تو زندگی کے صرف ایک گوشے میں جس میں انہیں شہرت و مہارت نصیب ہوئی تھی۔ جب کہ تمام شعبوں، مختلف صلاحیتیں رکھنے والے افراد اور تمام انسانوں کے لئے اسوہ کی حیثیت رکھنے والے فرد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

۵۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی آپ کی رسالت و نبوت کی صداقت کی ایسی دلیل ہے جو کسی بھی شبہ سے بالاتر ہے۔ بلاشبہ یہ ایک ایسے کامل انسان کی دعوت ہے جو اپنی دعوت کے بل بوتے پر یکے بعد دیگرے فتوحات سے ہمکنار ہوا۔ یہ فتوحات معجزاتی یا فوق الفطری طریقے سے نہیں بلکہ فطری طور پر معمول کے مطابق اختیار کردہ طریقوں کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعوت پیش کی تو آپ کو تکالیف اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تبلیغ کے ذریعے آپ کو چند ساتھی میسر آئے۔ چار و ناچار جنگ کرنا پڑی تو نہایت حکمت و تدبر سے اپنے زیر کمان میدان کارزار میں برسرپیکار رہے اللہ تعالی نے تمام مواقع پر آپ کو کامیابی اور توفیق سے نوازا جس کی وجہ سے جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ کی دعوت پورے جزیرہ عرب میں پھیل چکی تھی۔ دعوت کا یہ پھیلاؤ ایمان کے ذریعہ ہوا تھا نہ کہ غلبہ و تسلط یا جبر و اکراہ کے ذریعے جس شخص کو زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادات و اطوار اور عقائد کا حال معلوم ہو اور اس بات سے بھی وہ واقفیت رکھتا ہو کہ وہ آپ کی دعوت کو روکنے کے لئے میدان میں اتر آئے اور اس سلسلے میں انہوں نے کئی اوچھے ہتھکنڈے بھی استعمال کئے یہاں تک کہ آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنایا گیا۔ پھر دیکھا جائے کہ لشکر اسلام اور کفار کے درمیان برپا ہونے والے ہر معرکہ میں دونوں کی جنگی تیاریوں میں کتنا بڑا فرق تھا۔ اسی طرح بعثت نبوی سے لے کر وفات تک کے عرصہ کو دیکھا جائے تو ۲۳ سال کا مختصر عرصہ ہے اگر کسی پر حقائق منکشف ہو جائیں تو وہ یہ یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے سچے رسول ہیں۔ اللہ تعالی نے انہیں پامردی و استقامت، قوت و تاثیر اور فتح و نصرت سے اس لئے نوازا کہ وہ اس کے سچے پیغمبر تھے۔ اللہ تعالی کسی ایسے شخص کی ایسی بے مثال مدد نہیں کرتا جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہو۔

سرکار رسالت مآب کی سیرت آپ کی رسالت کو خالص عقلی طور پر بھی سچا ثابت کرتی ہے جو معجزات آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہوئے صرف وہی عربوں کے ایمان لانے کی بنیاد نہیں تھے۔ بلکہ یہ بات تو تاریخ سے ثابت ہے کہ ہٹ دھرم کفار نے کسی بھی معجزے کی بنیاد پر ایمان نہیں لایا۔ مزید برآں ظاہری معجزے صرف اس شخص پر حجت ہو سکتے ہیں جو انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھے اور یہ بات تو یقینی ہے کہ بعد کے ادوار میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کو آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ نہ ہی انہوں نے آپ کے معجزات کو دیکھا۔ انہوں نے تو آپ کے دعوائے نبوت کو سچا ثابت کرنے والے عقلی دلائل کی بنیاد پر آپ کی ذات گرامی پر ایمان لایا۔ عقل کو اپیل کرنے والے ان دلائل میں سرفہرست قرآن کریم ہے جو بلاشبہ ایک عقلی اور فکری معجزہ ہے اور جو ہر انصاف پسند ذی عقل شخص کے لئے اس بات کو ماننے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہنے دیتا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے پر ایمان لے آئے

یہ بات انبیائے سابقین کی سیرتوں میں نہیں پائی جاتی۔ ان کی سیرتوں سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ ان پر ان کی دعوت کے اصولوں پر غور وفکر کی بنا پر نہیں بلکہ ان سے ظاہر ہونے والے معجزات اور خوارق عادات کی بنا پر ایمان لائے تھے۔ اس کی واضح مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو آنحضرت کے سچے رسول ہونے کا یقین دلانے کے لئے بنیادی اس بات کو بنایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے تھے۔ بیماروں کو شفایاب کرتے۔ مردوں کو زندہ کرتے اور انہیں اس چیز کے متعلق بتاتے جو وہ کھاتے یا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے۔ موجودہ انجیل ہمیں یہ بتاتی ہے کہ صرف انہیں معجزات کی وجہ سے لوگ آپ پر یکایک ایمان لانے لگے۔ اس بنا پر نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بلکہ اس بنا پر کہ آپ (خدانخواستہ) خدا اور خدا کے بیٹے ہیں۔

حضرت عیسیٰ السلام کے بعد بھی عیسائیت کو معجزات اور خوارق عادات کے بل بوتے پر فروغ حاصل ہوا۔ عہد جدید کی کتاب "رسولوں کے اعمال" اس کی بڑی دلیل ہے۔ چنانچہ جس عیسائیت پر اس کے پیروکار ایمان رکھتے ہیں اس کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ایسا مذہب ہے جس کی بنیاد معجزات اور خوارق عادات پر ہے نہ کہ ذہنی اطمینان پر۔ جب کہ سیرت نبوی میں ہمیں یہ خصوصیت واضح طور پر نظر آتی ہے کہ آپ کی رسالت پر کسی نے بھی کسی معجزہ کی وجہ سے نہیں بلکہ قلبی اور ذہنی طور پر اطمینان حاصل کر کے ایمان لایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو جن معجزات سے نوازا وہ صرف ان کے اعزاز اور دشمنان حق کو لاجواب کرنے کی خاطر تھے جو شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرے اسے معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے رسول اکرمؐ کی رسالت کو منوانے کے لئے غور وفکر اللہ کے عظیم کارخانہ قدرت کے مشاہدے اور آپ کے امی ہونے کے متعلق لوگوں کے پختہ یقین کا سہارا لیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے جو قرآن کریم لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے وہ ایک سچے رسول ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"کفار کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اتاری گئیں اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں؟ کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں کھول کھول کر"

اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ (العنکبوت ۵۰، ۵۱)

پچھلی امتوں کی طرح جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے معجزات پیش کرنے کے مطالبات بہت زور پکڑنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جواب دینے کا حکم دیا گیا کہ:

"پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا کچھ اور بھی ہوں ؟" (بنی اسرائیل ۹۳)
اور انہوں نے کہا۔" ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری نہ کر دے یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے، یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے چڑھنے کا بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک کہ تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں" اے نبیؐ، ان سے کہو:۔
"پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا کچھ اور بھی ہوں؟" (بنی اسرائیل ۹۱-۹۳)
پس قرآن کریم نہایت وضاحت کے ساتھ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان اور رسول ہیں اور اپنے دعوائے رسالت و نبوت میں معجزات اور خوارق عادات کا سہارا نہیں لیتے۔ بلکہ وہ ذہنوں اور دلوں کو مخاطب کرتے ہیں اور "جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے" (الانعام ۱۲۵)

سیرت طیبہ کے مآخذ | سیرت طیبہ کے قابل اعتماد بڑے مآخذ چار ہیں۔

۱۔ قرآن کریم۔ قرآن کریم وہ بنیادی مآخذ ہے جس میں سیرت طیبہ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ قرآن کریم نے آپ کے بچپن کا ذکر کیا ہے:۔ الم یجدك یتیماً فاویٰ، ووجدك ضالاً فہدیٰ۔
کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا۔ اور پھر ٹھکانا فراہم کیا۔ اور تمہیں ناواقف راہ پایا۔ اور پھر ہدایت بخشی۔
اسی طرح قرآن کریم نے آپ کے اخلاق کریمہ کا بھی ذکر کیا ہے:۔
وانك لعلیٰ خلقٍ عظیم اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔
قرآن کریم میں ان تکالیف کا بھی ذکر ملتا ہے جو آپ کے دعوت دین کے سلسلے میں برداشت کیں اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنے کے لئے مشرکین نے آپ کے بارے میں جادوگر اور مجنون وغیرہ کے جو القاب آپ پر چسپاں کئے تھے قرآن مجید نے ان کا بھی بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح ہجرت رسولؐ اور ہجرت کے بعد ہونے والی ان جنگوں اور غزوات کا بھی ذکر کیا ہے جن میں آپ نے شرکت فرمائی۔ جیسے غزوہ بدر۔ احد۔ احزاب۔ صلح حدیبیہ۔ فتح مکہ۔ غزوۂ حنین۔ اسی طرح آپ کے چند معجزات کا بھی تذکرہ ہوا ہے جیسے اسراء معراج کا معجزہ۔
خلاصہ یہ کہ قرآن کریم نے سیرت نبوی کے کئی واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور جیسا کہ روئے زمین پر قرآن مجید سے زیادہ مستند اور کوئی کتاب نہیں ہے اور ایسے تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہے کہ کوئی ذی شعور انسان اس کی نصوص اور ان کے تاریخی ثبوت میں شک کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسی لئے کلام اللہ میں وارد شدہ سیرت کے حوادث و واقعات بلاشبہ سیرت کا مستند ترین مآخذ شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ قرآن کریم میں سیرت کے واقعات تفصیل سے بیان نہیں ہوئے بلکہ صرف ان کا اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جہاں جیسی معرکہ کا ذکر ہوا ہے وہاں اس کے اسباب مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکر کی تعداد اور فریقین کے مقتولین کی تعداد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اس جنگ کے سبق آموز پہلو اور مقامات عبرت و نصیحت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ انبیاء سابقین اور گذشتہ امتوں کے واقعات کے بیان میں بھی قرآن کریم کا یہی اسلوب رہا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مکمل نقشہ پیش کرنے کے لئے سیرت طیبہ سے متعلقہ صرف قرآنی نصوص پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مستند احادیث مبارکہ | سیرت طیبہ کا دوسرا مستند ماخذ احادیث مبارکہ ہیں جو حدیث کی ان کتابوں میں نقل ہوئی ہیں جن کا قابل اعتماد اور ثقہ ہونا دنیائے اسلام میں مسلم ہے اور وہ یہ ہیں۔

صحاح ستہ۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ۔ ان کے ساتھ موطا امام مالک اور مسند امام احمد بھی۔ یہ کتابیں اور خاص طور پر بخاری و مسلم صحت، اعتماد اور تحقیق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ رہیں ان کے علاوہ دیگر کتب حدیث تو ان میں صحیح حسن اور بعض کتابوں میں ضعیف تک روایتیں پائی جاتی ہیں۔

ان کتابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے واقعات، غزوات اور افعال و اعمال کا بڑا حصہ ذکر ہوا ہے جس سے سیرت کا ایک جامع تصور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر وہ نامکمل رہتا ہے اور جو بات اطمینان و اعتماد میں مزید اضافہ کر دیتی ہے وہ یہ کہ ان کتابوں کی روایات صحابہ کرام تک متصل سند کے ساتھ منقول ہوئی ہیں۔ بلاشبہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگیاں بسر کیں۔ آپ سے انہیں خاص وابستگی رہی۔ اللہ نے انہی کے ذریعے اپنے دین کی مدد و نصرت فرمائی۔ اور رسول اکرم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کی تربیت فرمائی۔ جس کی وجہ سے وہ پوری تاریخ انسانیت میں اپنے اخلاق کی مضبوطی۔ قوت ایمانی، راست گفتاری۔ روحانی بلندی اور عقلی و فکری پختگی کے لحاظ سے ایک مثالی جماعت ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ سے ان کی جو روایات متصل اور صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ ایک تاریخی حقیقت ہیں جن میں ذرہ برابر بھی شک کی گنجائش نہیں۔

مستشرقین اور ان کے یورپ سے مرعوب ضعیف الایمان مسلمان پیروکاروں کی کوشش ہے کہ سنت نبوی کا جو مستند ذخیرہ ہمارے سامنے ہے ان کی صحت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلا کر شریعت کو منہدم کرنے اور سیرت کے واقعات کو مشکوک بنانے کی راہ ہموار کی جائے۔ لیکن جس اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسی نے ان کے باطل کا توڑ کرنے کے لئے ایک گروہ پیدا کیا۔ میں نے بھی اپنی کتاب "السنۃ و مکانتہا فی التشریع الاسلامی" میں حدیث کی چھان بین کے سلسلے میں اپنے علمائے سلف کی کوششوں کا ذکر کیا ہے۔ مستشرقین اور ان کے پیروکاروں کے شبہات کا حوالہ دے کر علمی انداز میں ان کا جائزہ لیا ہے۔

۳- عہدِ رسالت کے معاصر عربی اشعار کا ذخیرہ: مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ اور آپ کی دعوت پر اپنے شعرا کے ذریعے کیچڑ اچھالا اس لئے مسلمان بھی جواب دینے پر مجبور ہوتے چنانچہ اس زمانے کے نامور مسلم شعرا حسان بن ثابت اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہ نے اس مہم میں حصہ لیا۔ ادب اور سیرت کی بعد میں تصنیف کردہ کتابوں میں ایسے اشعار کا اچھا خاصا حصہ موجود ہے جس سے ہم اس معاشرے کے متعلق حقائق استنباط کر سکتے ہیں جس میں آپ نے زندگی گذاری اور جہاں دعوت دین نے اپنے آغاز میں نشو و نما پایا۔

۴- سیرت کی کتابیں: سیرت طیبہ کے واقعات روایات کی شکل میں صحابہ کرام اپنے بعد والوں کو بیان کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام خاص طور پر سیرت کی باریکیوں اور تفصیلات سے شغف رکھتے تھے۔ پھر ان کے بعد تابعین نے روایت کی ذمہ داری سنبھالی اور ان روایات کو اپنے اپنے صحیفوں میں مدون کیا۔ ان میں سے بعض حضرات نے اس سلسلے میں خاص اہتمام کیا جیسے ابان بن عثمان بن عفان (۲۱-۱۰۵ھ) اور عروہ بن زبیر بن عوام (۲۳-۹۳ھ) اسی طرح چھوٹے تابعین میں سے عبداللہ بن ابوبکر انصاری (متوفی ۱۳۵ھ) محمد بن مسلم بن شہاب زہری (۵۰-۱۲۴ھ) جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ان کے مشورے سے تدوین حدیث کا کام بھی سر انجام دیا) اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۰ھ)

سیرت سے متعلق اہتمام ان حضرات سے بعد میں آنے والوں کی طرف منتقل ہوا جنھوں نے سیرت نبوی میں خاص تالیفات و تصنیفات مرتب کیں۔ مصنفین سیرت کے ابتدائی گروہ میں سر فہرست محمد بن اسحاق بن یسار (متوفی ۱۵۲ھ) کا نام آتا ہے۔ جن کے ثقہ اور قابل اعتماد ہونے پر جمہور علما اور محدثین کا اتفاق ہے۔ ہاں البتہ امام مالک اور ہشام بن عروہ بن زبیر نے ان کی شخصیت پر جرح کی ہے۔ لیکن بہت سے محقق علما نے ان دونوں حضرات کی جرح کا باعث ذاتی رنجشوں کو ٹھہرایا ہے جو محمد ابن اسحاق اور ان ہر دو حضرات کے مابین تھیں۔

ابن اسحاق نے اپنی کتاب "المغازی" میں وہ تمام احادیث و روایات جمع کر دی ہیں جنہیں اس نے بذات خود مدینہ منورہ اور مصر میں سنا تھا۔ یہ کتاب اگرچہ ہمارے دوسرے علمی ورثہ کے ساتھ ضائع ہو گئی اور ہم تک نہ پہنچ سکی۔ مگر کتاب کے مندرجات ان روایات کے ذریعے محفوظ رہے جو ابن ہشام نے اپنی سیرت میں اپنے شیخ البکائی کے ذریعے نقل کی ہیں جو ابن اسحاق کا مشہور شاگرد تھا۔

سیرت ابن ہشام: آپ کا نام و کنیت ابو محمد عبدالملک بن ایوب الحمیری تھا۔ بصرہ میں پرورش پائی اور اختلاف روایات کے مطابق، سن ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرت النبیؐ" کی تالیف میں ان روایات کو بنیاد بنایا جنہیں آپ کے شیخ البکائی نے ابن اسحاق سے روایت کیا تھا۔ نیز اس میں وہ روایات بھی ذکر کیں

جنہیں خود انہوں نے اپنے دیگر اساتذہ سے بیان کیا تھا جو ابن اسحاق سے رہ گئی تھیں۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی بیان کردہ ان روایات کو نہیں لیا جو اس کے علمی ذوق اور ناقدانہ ملکہ سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔ چنانچہ سیرت کی یہ ایک ایسی کتاب وجود میں آگئی جو سیرت کے ماخذ میں سب سے زیادہ جامع مستند اور کھری تھی اور اسے ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ لوگ اسے مصنف کی جانب ہی منسوب کرنے لگے۔

سیرت ابن ہشام، اس کتاب کی اندلس کے دو علماء السہیلی (۵۰۸، ۵۸۱ھ) اور الخشنی (۵۳۵، ۶۰۴ھ) نے شرحیں لکھیں۔

طبقات ابن سعد آپ کا پورا نام محمد بن سعد بن منیع الزہری ہے۔ بصرہ میں ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سن ۲۳۰ھ میں وفات کی۔ آپ مغازی اور سیرت کے مشہور مؤرخ محمد بن عمر واقدی (۱۳۰ھ، ۲۰۷ھ) کے کاتب تھے۔ ابن سعد نے اپنی کتاب میں سیرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان کرنے کے بعد صحابہ و تابعین کے ناموں کا ان کے طبقات، قبائل اور مقامات کے لحاظ سے تذکرہ کیا ہے۔ آپ کی کتاب "الطبقات" کا شمار سیرت کے قابل اعتماد اور صحابہ و تابعین کے ذکر میں جامعیت کے مرتبہ پر فائز اولین ماخذ میں ہوتا ہے۔

تاریخ طبری آپ کا پورا نام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴ - ۳۱۰ھ) ہے۔ آپ امام، فقیہ، محدث اور ایک فقہی مسلک کے بانی تھے مگر وہ زیادہ رواج نہ پکڑ سکا۔ تاریخ کی ایسی کتاب تالیف کی جس میں صرف سیرت نبوی کے بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سیرت کے ذکر کے بعد اپنی وفات تک اسلامی حکومتوں کی تاریخ بھی بیان کی۔

طبری اپنی روایات میں حجت اور قابل اعتماد مانے جاتے ہیں۔ مگر وہ بہت سی ضعیف اور باطل روایات بھی ان کے راویوں کی سندوں پر انحصار کرتے ہوئے ذکر کر دیتے ہیں۔ جن کی حیثیت ان کے عہد میں واضح تھی۔ طبری نے ابو مخنف سے بھی روایات لی ہیں حالانکہ وہ متعصب شیعہ تھا۔ اس کے باوجود امام طبری نے اپنی اسناد سے ان کی بہت سی روایات اپنی کتاب میں ذکر کی ہیں۔ گویا کہ اس طرح انہوں نے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو کر پورا بوجھ ابو مخنف پر ڈال دیا ہے۔

سیرت کی تالیف کی نوعیت میں تبدیلی اس کے بعد تالیف سیرت کی نوعیت میں تبدیلی آئی چنانچہ سیرت کے بعض خاص پہلوؤں کیلئے الگ الگ کتابیں لکھی گئیں اس سلسلے میں اصبہانی کی "دلائل نبوت"، امام ترمذی کی "شمائل محمدیہ" حافظ ابن قیم کی "زاد المعاد" قاضی عیاض کی "الشفاء" اور امام قسطلانی کی "مواہب لدنیہ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخری کتاب کی امام زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ) نے آٹھ جلدوں میں شرح لکھی ہے۔ سیرت رسول میں تالیفات کا سلسلہ آج تک جاری ہے علماء نئے نئے اسلوب بیان اور پیرایۂ تالیف کے مطابق سیرت لکھ رہے ہیں جو نئی نسل کے ذوق کے مطابق ہے عصر حاضر میں تالیف کردہ کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب شیخ محمد الخضری کی "نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین" ہے جسے اچھی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور عالم اسلام کے کئی دینی اداروں میں داخل درس ہے۔

Adarts-JOS-1/89

قومی خدمت ایک عبادت ہے

اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے

سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

جہاد افغانستان تازہ ترین صورت حال

پکتیا محاذ کے معروف جرنیل مولانا جلال الدین حقانی سے انٹرویو

س۔ افغان تنازعہ کے حل سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

ج۔ مسئلہ افغانستان کے حل کے سلسلے میں بہت سی تشریح و توضیح ہو چکی ہے۔ کئی طرح سے نشاندہی کی گئی ہے ہر کوئی اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی پسند کے مطابق افغان مسئلے کے حل کے لئے مختلف طریقے اور تجاویز پیش کرتا ہے۔

میری رائے کے مطابق اس قضیہ کے اصل فریق مجاہدین ہی ہیں اور مجاہدین اس قضیہ کا واحد حل کفر والحاد کے خلاف مسلح جہاد کا دوام سمجھتے ہیں اور مسلح جہاد کا دوام اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مجاہدین ایک واحد قطار میں صف بستہ ہو کر دین و وطن کے دشمنوں کے خلاف ڈٹ کر لڑیں۔ اس مقصد تک رسائی کے لئے قوم کے تمام مسلمان طبقوں کے نمائندوں، علماء کرام، جہادی کمانڈروں، دیانت دار اشخاص اور دیگر صاحب رائے حضرات پر مشتمل ایک عمومی شوریٰ کا وجود انتہائی ضروری ہے تاکہ اس شوریٰ کے ذریعے ایک اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہو سکے اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ افغان قضیہ محض زبانی جمع و خرچ کے ذریعے حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ بھی ہے۔ اور یہاں کفر و اسلام کی بات اصل موضوع ہے۔

افغان مسلمان عوام کفر والحاد کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلح جہاد کا آغاز کیا جب تک افغانستان میں روسی سامراج کے مزدور و زرخرید ایجنٹ اور دہری نظام حکومت موجود ہے اس وقت تک روسیوں اور ان کے مزدوروں کے ساتھ سیاسی بات چیت کرنا یا یہ کہ سیاسی مذاکرات کے ذریعے افغان مسئلہ کا حل نکالنے پر راضی ہو جانا یہ سب بے مقصد اور محض خوش فہمی میں مبتلا ہونے کے مترادف ہو گا۔

جیسا کہ اب بھی بعض راہنما روسیوں کی طرف سے دی جانے والی دعوت کو اہمیت دے رہے ہیں۔ اور اس پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ افسوس کہ یہ راہنما بھول چکے ہیں کہ روسیوں نے گزشتہ بارہ سال کے دوران افغانوں کے ساتھ کیا کیا۔ اور آئندہ کیا کرنے کے مذموم عزائم رکھتے ہیں۔ مگر یہ پھر بھی روسیوں کی طرف سے دعوت نامے کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ اگر روس ہمارے راہنماؤں کو یہ کہہ دے کہ نجیب سے اقتدار چھین کر تمہارے حوالے

کردیں گے ۔ پھر بھی یہ ہمارے لئے قبولیت کا باعث نہیں بن سکتا بلکہ ہم اسے اپنے جاری جہاد اور اسلامی انقلاب کے حق میں توہین سمجھیں گے اور اسے جیتے ہوئے اپنے تمام افتخارات کو روسیوں کے پاؤں تلے روندنے کے مترادف قرار دیں گے۔

ہم صرف اُس وقت روسیوں سے مذاکرات کے لئے بیٹھنے پر راضی ہوں گے جس وقت وہ اپنے پٹھو کابل حکومت پر ہر قسم کی امداد و تعاون بند کر کے اسلحہ کی سپلائی منقطع کردے۔ افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا عہد کرے اور افغانوں کو یہ موقع فراہم کرے کہ وہ ایک اسلامی حکومت قائم کریں۔ اور روس اس حکومت کو تسلیم بھی کرے۔

البتہ جب کہ ان امور میں سے ایک بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا ایسے میں مجاہدین کی عبوری حکومت کے سربراہ کیسے روسیوں کی دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ اور روس کو مجاہدین کا وفد بھیجنے پر دل کی گہرائیوں سے راضی ہو سکتے ہیں۔

میں ایک بار پھر اپنے اس اظہار کو دہراتا ہوں کہ مسئلہ افغانستان کے حل کا واحد راستہ مسلح جہاد کا دوام ہی ہے اور جب تک افغانستان میں مجاہدین کے ہاتھوں اسلامی حکومت نہیں بن جاتی اس وقت تک اپنے کندھوں سے جہاد کے لئے اٹھائے ہوئے اسلحہ کو زمین پر رکھنا اور افغان مہاجرین کی واپسی، خود کو روسیوں اور کفری طاقتوں کی جھولی میں ڈالنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔ افغان مجاہدین اور روسی مزدوروں (خلق و پرچم) کے درمیان مخلوط حکومت کے تحت گٹھ جوڑ بھی بعید از امکان ہے۔ اسی طرح افغان مجاہدین غیر جانبدار حکومت کو بھی مسترد کرتے ہیں کیونکہ افغانستان کے موجودہ طویل اسلامی انقلاب کے دوران کوئی بھی شخص غیر جانبدار نہیں رہا ایک محدود تعداد میں لوگ یا تو براہِ راست یا بالواسطہ طور پر روسیوں اور ان کے ایجنٹوں کے حامی اور مزدور بن چکے ہیں۔ باقی تمام افغان مسلمان قوم براہ راست یا بالواسطہ طور پر مجاہدین کے حامی اور پشتیبان ہیں اس لئے غیر جانبدار رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجاہدین بے شمار قربانیاں اپنے پیارے وطن سے دور ہجرت کی کٹھن زندگی گذارنے اور طرح طرح کے مصائب و آلام صرف اور صرف افغانستان میں ایک اسلامی حکومت کے قیام کی خاطر برداشت کر رہے ہیں اس لئے مجاہدین کی حکومت کے سوا کوئی اور حکومت ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔

س۔ کابل میں ایک فوجی بغاوت کی افواہ گردش کر رہی ہے اور ایک تنظیم کی طرف سے جو اس سے پہلے بھی اس سلسلے میں ایسا قدم اٹھا چکی ہے کابل میں قریب الوقوع ایک اور فوجی بغاوت کے ذریعے نجیب حکومت کا تختہ الٹ دینے کی باتیں کر رہی ہے۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے ؟

ج۔ فرمائشی فوجی بغاوتوں کا تو امکان ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ کہ اگر مجاہدین کی عبوری حکومت کے

سربراہ روسیوں کی دعوت قبول کریں۔ عین ممکن ہے کہ آخر کار کوئی فرمائشی فوجی بغاوت بھی عمل میں آ جائے لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ افغان مسلمان قوم اور بطور خاص جہادی کمانڈر ایسی کوئی حکومت قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ایک پارٹی وقوع سے قبل کی فوجی بغاوت کی اطلاع دیتی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کسی اور سے گٹھ جوڑ اور بات چیت کی ہو۔ لیکن میں ایک بار پھر پوری وضاحت سے یہ بات کہتا ہوں کہ اس طرح کی فوجی بغاوتیں جو روسیوں کے اشاروں اور مشوروں سے عمل پذیر ہوں۔ ہماری مجاہد قوم کو ہرگز قبول نہیں ہوں گی۔

یہ تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ روسی کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کی فوج میں اب ایسا کوئی مسلمان فوجی موجود نہیں جو حقیقتاً اپنے اسلامی جذبات کی بناء پر کوئی ایسا قدم اٹھائے جس سے افغانستان کی مسلمان ملت کو فائدہ پہنچے فوج کے تمام افسر کمیونسٹ پارٹی کے عہدے دار ہیں اور ظاہر ہے کہ کمیونسٹ ایسا کوئی بھی کام انجام نہیں دیتا جس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ اس لئے اگر کابل میں فوجی بغاوت کے نام پر کوئی عمل انجام دیا جاتا ہے تو اس میں ضرور روسیوں کا ہاتھ ہوگا۔ اور اسی کے مشورہ سے انجام دیا جائے گا اور اس کے پیچھے روسیوں کے مذموم عزائم اور بے شمار سامراجی مقاصد ضرور پوشیدہ ہوں گے لہٰذا اس امید (فوجی بغاوت) پر جہاد سے دستبردار ہونا درحقیقت اسلامی انقلاب اور جہاد سے بڑی بے وفائی ہے۔

س۔ مجاہدین کی وحدت اور یک جہتی کے لئے آپ کے خیال میں کامیاب مختصر اور مؤثر طریقہ کیا ہے؟

ج۔ میری رائے کے مطابق مجاہدین کے اتحاد و وحدت کے لئے سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ سات جہادی تنظیموں کے راہنما اور اسی طرح دیگر جہادی قوتیں تہہ دل سے اتحاد کر لیں اور مکمل اتفاق رائے سے اپنے آپ میں سے کسی ایک کو قائد چن لیں اور باقی سب اس کے پشتیبان اور سچے حامی بنیں، اس کی اطاعت کریں، اسلامی حکومت تشکیل دیں، انصاف کی بناء پر اور احکام شرعی کے مطابق امور مملکت کی انجام دہی کے لئے مناسب اور اہل افراد کو ذمہ داریاں تفویض کریں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ علماء، جہادی کمانڈر اور وہ تمام افغان جو صاحب بصیرت و دانش ہیں چاہے ملک کے اندر ہوں یا باہر، اکٹھے بیٹھ کر ایک "شوریٰ" تشکیل دیں بعد میں اس شوریٰ کے ذریعے اسلامی حکومت کے سربراہ کا انتخاب عمل میں لایا جائے اور پھر ان کی سربراہی میں اسلامی حکومت قائم اور افغانستان کے اندر منتقل کی جائے۔ جہادی امور سے متعلق ادارہ اور کمان سربراہ مملکت کے سپرد کیا جائے تاکہ روس کی کٹھ پتلی حکومت کے قلع قمع کے بعد اختیارات کی باگ ڈور اپنے کنٹرول میں لے سکے۔ لیکن عملاً یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مجاہدین آپس میں شیر و شکر ہو کر متحد ہو جائیں اور مغرب و مشرق کی تمام تر سازشوں اور منصوبوں کو نیست و نابود کر دیں۔

س۔ مسئلہ خلیج اور اس کے حل سے متعلق آپ کی رائے کیا ہے ؟

ج ۔ مسئلہ خلیج کا ایک ایسا حل جس میں تمام عالم اسلام اور علاقے کے لوگوں کی عافیت اور بھلائی ہو۔ یہ ہے کہ چونکہ عراق نے براہِ راست کویت کی سرزمین پر تجاوز کا ارتکاب کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور وہاں کے عوام کے مال و متاع کو لوٹ لیا ہے اور کویت کو اپنے ملک کا ایک صوبہ قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا عراق کو چاہئے کہ وہ کویت سے اپنی افواج بلاقید و شرط واپس بلائے۔ لیکن اگر عراق ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں اور کویت کی سرزمین پر اپنا ظالمانہ تسلّط برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اس صورت میں اسلامی دنیا کے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلامی سرزمین کا تحفظ اور دفاع کریں اور اسلامی سرزمین کو ظالموں کے چنگل سے آزاد کرائیں اور ان کو سبق سکھائیں ۔

لیکن اس کے ساتھ یہ نہیں چاہیئے کہ اسلامی سرزمین کے دفاع کے لئے طاغوتی طاقتوں سے مدد لی جائے کیونکہ ایسا کرنے سے اسلامی اُمہ میں نفرت کے جذبات ابھارنے کا باعث بن سکتے ہیں۔ اور اس سے مسلمانوں کے درمیان شدید اختلافات جنم لے سکتے ہیں نیز اس ضمن میں سامراجی اور طاغوتی طاقتوں کو اسلامی ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ کفری طاقتیں تو یہی چاہتی ہیں کہ کوئی بہانہ بنا کر اسلامی ممالک میں اپنے فوجی اڈے قائم کریں۔ اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی مادی اور معنوی دولت لوٹ کرلے جائیں اور اس طرح اسلامی امہ کمزور پڑ جائے اور یوں مختلف مصائب اور مشکلات سے دوچار ہو جائیں ۔

س ۔ کہا جا رہا ہے کہ پانچ افغان تنظیموں کی جانب سے کابل پر ایک بڑے اور عمومی حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے نیز آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا حملہ کامیاب ہو گا اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے ؟

ج :۔ مجاہدین کی پانچ تنظیموں نے کابل پر ایک بڑے اور عمومی حملے کی تیاریاں کی ہیں جیسا کہ آپ نے سنا ہے اسی طرح میں نے بھی سنا ہے اور اعلامیوں کے ذریعے آگاہی حاصل ہوئی ہے کیونکہ اس سلسلے میں ہم سے کوئی رابطہ اور مشورہ نہیں لیا گیا۔ اس لئے مجھے اس سلسلے میں مفصل معلومات حاصل نہیں تاہم جہاں تک اس قسم کے حملے کی کامیابی اور ناکامی کا تعلق ہے تو یہ مستقبل سے وابستہ ہے اور مستقبل کا علم اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہمیں اس کا علم حاصل نہیں جن معلومات کی بنا پر ہم تجزیہ کرتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کے دو رخ ہیں۔ ایک یہ کہ کابل ہمارے ملک کا دارالحکومت ہے وہاں غیر ملکی سفیر اور نمائندے موجود ہیں لہٰذا کابل پر مجاہدین کے حملے کی صورت میں دنیا مجاہدین کی قوت سے واضح اور فوری طور پر دنیا باخبر ہو سکتی ہے۔ نیز کابل کو رسد کے راستے مسدود ہونے سے کابل کے شہری حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور یوں الحادی حکومت ایک اور شکست سے دوچار ہوگی کیونکہ کابل کی ملحد حکومت کابل شہر کے مسلمان باشندوں سے ڈھال کا کام لیتی ہے اور ان کے ذریعے خود کو مجاہدین کے حملوں سے بچاتے رہے

ہیں کیونکہ کمیونسٹ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ مجاہدین عام لوگوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور اگر کہیں عام شہریوں کو کسی حملے یا جھڑپ میں نقصان پہنچا ہے۔ تو پھر ملحد حکمران مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈہ کرکے شور مچاتے ہیں کہ مجاہدین عام لوگوں کو مار رہے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نجیب اپنے اقتدار اور اپنے آپ کی حفاظت کے لئے عام لوگوں کو قربان کر رہا ہے۔ جس کی بہتر مثال یہ ہے کہ شاہ نواز تنی نے اقتدار پر قبضے کے لئے بہت سے شہریوں کو مار کر لقمۂ اجل بنایا اور نجیب بھی اقتدار پر قابض رہنے کے لئے شب و روز میں بے شمار شہری بمباری و گولہ باری اور دیگر ہتھیاروں سے ہلاک کروئے۔ لیکن پھر بھی کابل کے شہریوں نے نجیب پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس کی حکومت کے خلاف یہ پوچھنے کے لئے نہیں اٹھے کہ تمہارے اور تنی کے درمیان تو کفر اور اسلام کا مسئلہ نہیں بلکہ اقتدار کا مسئلہ تھا پھر آپ نے اپنے اقتدار کے لئے اتنے لوگ کیوں قتل کئے

دوسرا رخ صوبوں سے جھگڑے کی صورت میں کابل پر قبضہ کرنے کا ہے جس کیلئے طویل مدت زیادہ اخراجات درکار ہیں اور اس میں جانی نقصانات بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ ان صورتوں پر کابل پر ایک بڑے اور عمومی حملے کی منصوبہ بندی اور کوشش ایک مناسب اور اچھا اقدام ہے بشرطیکہ یہ اقدام نہایت ہوشمندی اور تمام جہادی قوتوں کی طرف سے متحدہ طور پر انجام پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک کمانڈر یا ایک جہادی تنظیم پروگرام کے مطابق حملے کا آغاز کرے اور دوسرے بے خبر رہ جائیں یا حملے میں حصہ لینے سے لاتعلق ہو جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے جہادی تنظیمیں ایک دقیق پروگرام مرتب کرنے پر متفق ہو جائیں پھر اس پر عملدرآمد کی راہیں ڈھونڈیں۔

س۔ کیا عرب ممالک کی طرف سے مجاہدین کو ملنے والی امداد پر مسئلہ خلیج کی وجہ سے کوئی اثر پڑا ہے یا نہیں؟

ج۔ غیر ملکی اس قسم کے پروپیگنڈے کر رہے ہیں کہ افغانستان کے مقابلے میں خلیج کے مسئلہ کو اہم اور بڑا ظاہر کیا جائے تاکہ اس طرح افغان مسئلے کی اہمیت کم کرکے اسے پس پشت ڈال دیا جائے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کویت پر عراقی حملہ روس کے ایما پر مکمل ہوا ہے۔ جارحیت سے قبل امریکہ کی پشت پناہی پر کویت نے عراق کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل نہ کیا اور عراقی تقاضوں کے جواب میں منفی ردعمل ظاہر کیا۔ اس طرح روس اور امریکہ اپنی سازشوں میں کامیاب ہو گئے۔

خلیج کے بحران کی وجہ مجاہدین کی امداد میں کمی ایک فطرتی بات ہے۔

س۔ حزب اسلامی (حکمت یار) اور جمعیت اسلامی کے باہمی اتحاد کی غرض سے ایک شوریٰ بنی ہے جو دونوں کے اتحاد کے لئے کام کر رہی ہے اور دونوں لیڈروں نے اس سلسلے میں عہد بھی کر لیا ہے۔ آپ اس قسم کے اقدامات کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

ج۔ جہادی تنظیموں کے درمیان اتحاد اور عمومی طور پر تمام افغان مسلمانوں کا اتحاد بہت ضروری ہے اور خاص طور پر موجودہ دور میں تو انتہائی اہم اور لازمی کام ہے۔ اس لئے حزب اسلامی اور جمعیت اسلامی کے درمیان اتحاد اور بالآخر سبھی اسلامی پارٹیوں کے درمیان وحدت و یک جہتی ایک اچھا اقدام اور تمام افغانوں کی کامیابی ہے۔ اگر وہ باہم اس لئے متحد ہوتے ہیں کہ دیگر تنظیموں کا مقابلہ کرسکیں تو یہ کار خیر نہیں۔

بہرحال حقیقت اللہ جانتا ہے لیکن ہماری آرزو ہے کہ ان دونوں تنظیموں کا اتحاد تمام اسلامی تنظیموں کے اتحاد کا باعث بن جائے اور جو بدبختیاں ان کے نفاق کی وجہ سے رونما ہوئی ہیں مٹ جائیں۔

س۔ موجودہ حالات میں سقوط کابل کے لئے کامیاب اور مختصر طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟

ج۔ کامیابی کے لئے مختصر راستہ جہاد کی وسعت، مورچوں کی مضبوطی اور تنظیموں کے درمیان مکمل اتحاد ہے تنظیموں کے اتحاد سے تمام جہادی کمانڈر باہم متحد ہو جائیں گے۔ اور دوہری حکومت کے خاتمے کے لئے متحدانہ طور پر اپنی قوت و توانائی بروئے کار لائیں گے۔ ہمیں اطمینان ہے کہ اس طرح نجیب انتظامیہ بہت جلد گرادی جائے گی۔

بقیہ ص۳۲: مولانا حسین احمد مدنیؒ

علامہ اقبال نے جس خبر سے متاثر ہو کر یہ اشعار لکھے تھے اس کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہی روزنامہ "احسان" میں اس مطلب کا ایک خط چھپوادیا کہ مجھ کو اس صراحت کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔

ان شاء اللہ آئندہ اشاعت میں اس اجمال کی تفصیل اور اس متن کی شرح ذکر کی جائے گی (زاہد الحسینی)

علامہ اقبال نے جناب طالوت کو ایک خط میں لکھا کہ وہ مولانا مدنی کی تصحیح کے بعد اپنے اشعار کی تلخی کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

اس حقیقت کشائی کے بعد اگر کوئی قلم دراز یا زبان دراز مولانا مدنی اور ان کے رفقاء پر نشتر زنی کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ پاکستان کی فضا سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ قائد اعظم اور علامہ اقبال کی روحوں کو بھی صدمہ پہنچانے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس قسم کے غلط کار لوگ پاکستان میں غالباً یہ تصور کئے بیٹھے ہیں کہ وہ کوئی تاریخی کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی کالک اپنے چہرے پر مل رہے ہیں۔

حضرت العلامہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور علامہ اقبالؒ

اقبالی مجرموں کو انتباہ

پیش نظر مضمون کے سلسلہ میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے فکر انگیز مکتوب کا ایک اقتباس

میں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جب موسم گرما میں حضرت مدنیؒ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور پرانے حقانیہ پرائمری سکول (جو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے قائم فرمایا تھا ان کے جیتے حیات ثانی کا درجہ حاصل کر لیا اور علاقہ بھر کی مقبول تعلیم گاہ قرار پائی) میں تشریف فرما ہوئے اب یہ ساری ترقیاں ان کے قدموں کی برکت ہے ورنہ جن لوگوں نے پاکستان میں دیوبند کے نام سے اپنے مدارس کی ابتدا کی تھی آج اپنے بانی مرحومین کے ساتھ وہ بھی مرحوم ہو گئے۔ اس کی وجہ پر غور فرمادیں۔ فافہم و تدبر (محمد زاہد الحسینی)

آج سے تقریباً ۲۵ سال قبل شیخ العرب والعجم اسیر مالٹا مولانا حسین احمد مدنیؒ نے دہلی میں ایک تقریر فرمائی جو دلی کے اخبار الامان میں کافی ردوبدل کے ساتھ شائع ہوئی۔ اور اسے روزنامہ احسان لاہور نے بھی شائع کر دیا جس کو پڑھ کر علامہ اقبال نے چند اشعار کہہ ڈالے۔ حقیقت حال پر مطلع ہو کر اپنے اشعار سے رجوع فرما لیا اور اس رجوع کے ۲۳ دن بعد علامہ انتقال فرما گئے۔ ان کے آخری کلام کا مجموعہ بہ نام ارمغان حجاز ان کی وفات کے بعد شائع ہوا تو ان اشعار کو بھی اس مجموعہ کے آخر میں درج کر دیا جو آخری ایڈیشن ۱۹۸۶ء تک شائع ہو رہے ہیں۔ اقبالی مجرم گاہ بگاہ اپنے مضامین میں ان کو شائع کر دیتے ہیں جس کے لئے وطن کے ایک نامور روزنامہ (جو صلح کن اور عاقبت اندیش اور پاکستانی قوم کا مخلص ہونے کا دعویدار ہے) نے اپنے اوراق وقف کر رکھے ہیں

حال ہی میں ۹ نومبر کو اقبال ایڈیشن میں ایک عورت کا مضمون شائع ہوا جس کا مفصل جواب اور علامہ اقبال کے افکار کا تجزیہ عنقریب کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔ فی الحال آغا شورش کاشمیری نور اللہ مرقدہ کا ایک انتہائی مضمون جو بعنوان

مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال
عادی مجرموں کی زبان درازیاں

شائع شدہ چٹان مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۵ء شائع کیا جا رہا ہے۔ حضرت مدنی کے خدام نے نصف صدی صبر اور تحمل سے کام لیا مگر ان اقبالی مجرموں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے کہ اپنے آقا کے دفاع میں قلم اٹھائیں اور ان شاء اللہ اس قلم کا جواب ان اقبالی مجرموں کے بس کا روگ نہ ہوگا۔ ابھی تک ہمارا وطیرہ یہی تھا ؎

سکوت آموز طول داستان دردے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

علامہ اقبال کی روح سے معذرت کے ساتھ۔

(از جاروب کش آستانہ مدنی قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہ)

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب تحریک پاکستان کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ ان دنوں دہلی میں مسلم لیگ کا ایک جلسۂ عام تھا۔ کسی نہ کسی طرح لیگ کے مقامی راہنما مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کو جلسہ میں لے آئے۔ خوب دھواں دار تقریریں ہوئیں۔ تقریباً تمام یاوہ گو مقرروں نے مولانا حسین احمد کے خلاف انتہائی گندہ زبان استعمال کی اور اس طرح اپنا نقطۂ نگاہ پیش کیا۔ یہی ان کا سرمایہ تھا اور شاید وہ اس کے سوا کچھ جانتے ہی نہ تھے۔ ان کا خلاصۂ بیان اس پر ختم ہوتا کہ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ نہیں مولانا محمد الیاس ہیں اور ان کی تعریف میں دو چار زوردار کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دیتے۔ آخر میں مولانا محمد الیاس نے خطاب کیا اور صرف چند کلمات کہہ کر اپنی تقریر ختم فرما دی۔ مولانا نے فرمایا کہ:

"مولانا حسین احمد کی سیاسی رائے میری سمجھ سے بالا ہے اگر میں اُس سے اتفاق کرتا تو ان کی کفش برداری کرتا لیکن میں حضرت مدنی کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ اپنی زبان پر لا کر جہنم کی آگ خریدنا نہیں چاہتا کیونکہ میں اللہ کے نزدیک اُن کے مرتبہ سے آگاہ ہوں۔ اس قسم کا حوصلہ وہی نوجوان کر سکتے ہیں جو حسین احمد کے درجہ و مقام سے واقف نہیں ہیں اور نہ قرآنی اخلاق کے اسلامی حدود سے بہرہ ور ہیں"

مولانا عبدالماجد دریابادی مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے لیکن مولانا مدنیؒ نے ان کی طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے انہیں مولانا اشرف علیؒ تھانوی سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا اور وہ ان کے حلقہ میں شامل ہو گئے

مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کے حلقۂ سیاست میں شیخ الاسلام تھے۔ اُن کا مرتبہ و مقام بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ جب کبھی ان سے مولانا مدنی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے عموماً یہی کہا کہ مدنی صداقتِ اسلام کی دلیل ہیں۔ حضرت مفتی محمد شفیع بفضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور زمانۂ دیوبند سے مسلم لیگ کے طرفدار ہیں۔ انہوں نے تحریک پاکستان کی خدمت کی ہے۔ اُن سے پوچھیے کہ مدنی غیرتِ اسلام کی دلیل تھے اور فقرِ اسلام کا نمونہ یا ملّتِ اسلامیہ کے غدّار تھے؟ اور ہندوؤں کے اجیر۔

مولانا احتشام الحق تھانوی سے دریافت کر لیجیے کہ مولانا حسین احمد مدنی آیاتِ الٰہی میں سے تھے یا ہندوؤں کے ایجنٹ تھے۔ جن دوستوں نے چٹان کو لگاتار اپنے مطالعہ میں رکھا ہے انہیں یاد ہوگا۔ ہم نے دس پندرہ سال پہلے جالندھر کے ایک راسخ العقیدہ لیگی نوجوان ڈاکٹر مولوی محمد اکرام الحق مرحوم کی زندگی میں اُن کی اس روایت کو لکھا تھا کہ مولانا مدنی جالندھر اسٹیشن سے ٹرین میں جا رہے تھے تو لیگ کے دو نوجوان اُن کے ڈبے میں گھس گئے۔ ایک نے مولانا کی داڑھی پکڑ لی دوسرے نے اُس پر تھوکا۔ مولانا مدنیؒ نے آہ تک نہ کی۔

یہ روایت ان نوجوانوں نے جالندھر مسلم لیگ کے صدر مولانا عظامی کو سنائی۔ تو مولانا عظامی نے ان نوجوانوں سے کہا۔ بڑ ہانک رہے ہو یا واقعی تم نے ایسا کیا اور اس پر فخر کر رہے ہو؟ جب دو نوجوانوں نے تصدیق کی کہ فی الواقعہ وہ یہ کر آئے ہیں۔ تو مولانا عظامی نے کہا۔ اپنے رب سے معافی مانگو۔ مدنی اہل اللہ میں سے ہے اس نے مدتوں روضۂ رسول ﷺ کی پلکوں سے جاروب کشی کی۔ اور آستانۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھائی ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے مدنی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ پانی میں ڈوب جائیں گے یا انہیں آگ چاٹ لے گی۔ ڈاکٹر اکرام الحق راوی تھے کہ ان دو نوجوانوں میں سے ایک تقسیم کے وقت دریائے بیاس کی نذر ہو گیا اور دوسرا پاکستان میں آکر پولیس کی معرفت ایک لیگی لیڈر ہی کے ہاتھوں آگ کی بھٹی میں پھینک دیا گیا اور بھسم ہو گیا۔

یہ اتنی واضح اور بین شہادتیں ہیں کہ اس کے بعد اگر کوئی بدکردار اور بد قماش قلم کار مولانا مدنی کی شان میں گستاخی کرتا اور قائداعظم کی آڑ لے کر انہیں یا ان کے ساتھیوں کو اجیر علماء لکھتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک بدبخت انسان ہے اور اسے اپنے نفس کی غلاظتوں پر ساری دنیا کا قیاس ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔ چراغِ مصطفوی پر شرارِ بولہبی نے ہمیشہ رکیک حملے کیے ہیں۔ جو لوگ اپنے دل میں خدا کا خوف رکھتے ہوں وہ اس قسم کی باتیں نہیں کرتے۔ اِس ژاژ خائی کا حوصلہ صرف انہی لوگوں کو ہوتا ہے جنہیں اپنے بارے میں معلوم نہ ہو کہ وہ کس گھٹی کا پتا ہیں؟

آج دنیا میں نہ قائدِ اعظم رہے نہ علامہ اقبال۔ نہ مولانا حسین احمد مدنی اور نہ مولانا ابوالکلام آزاد وہ پرانی بساط تمام تر لپٹ چکی ہے اب ان سب کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے لیکن ان کا برسی موت کو سالہا سال گذر جانے کے بعد

بھی جو لوگ ایک کی آڑ میں دوسرے کو برا کہتے ہیں وہ بہرحال انسان نہیں ہیں۔ گو اس قسم کے افراد گنے چنے ہی ہیں مثلاً صحافیوں میں قادیانی امت کے دسترخوان کا ایک زلہ ربا تن تنہا اس طرز کا ہذیان بکنے میں پیش پیش ہے اور اکثر و بیشتر آڑ یہ لی جاتی ہے کہ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق درج ذیل قطعہ لکھا تھا۔

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجمی است
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اشعار بالا ارمغانِ حجاز کے آخر میں درج ہیں۔

علامہ اقبال نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال فرمایا۔ ارمغانِ حجاز نومبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی۔ علامہ اقبال زندہ ہوتے اور ارمغانِ حجاز اُن کی ترتیب و تدوین سے شائع ہوتی تو یہ اشعار اس میں کبھی نہ ہوتے۔ علامہ اقبال شخصیات کی مدح و قدح سے بالابلند تھے۔ اور عمر کے آخری دور میں یہ چیزیں ان کے تصور ہی سے عنقا ہو چکی تھیں انہوں نے اس طرز کے تمام اشعار اپنے کلام سے ہمیشہ خارج کر دئے اگر مرتبین اتنے ہی دیانتدار تھے تو انہیں کم سے کم مولانا محمد علی جوہر کا مرثیہ ارمغان میں ضرور شامل کرنا چاہئے تھا۔ جو ایک روزنامے ہی کے صفحۂ اول پر شائع ہوا اور ملک کے تمام اخباروں نے نقل کیا اور شاید کوئی دوسرا مرثیہ اس پائے کا نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چیزیں ہیں جو وقتی سیاست کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں۔ اور علامہ اقبال ہی کے قلم سے نکلی ہیں۔ مثلاً حضرت علامہ نے علی برادران کی رہائی پر جو اشعار لکھے وہ مسلم لیگ کے اجلاس عام منعقدہ امرتسر میں پڑھ کر سنائے۔ لیکن بانگِ درا میں جب کہ ان کا ابتدائی دور تھا شائع کئے تو علی برادران کا ذکر نہ کیا اسی طرح مہاتما گاندھی کی تعریف میں چھ اشعار لکھے جس میں انہیں مردِ پختہ کار و حق اندیش و باصفا سے مخاطب کیا وہ اشعار ۱۲ نومبر ۱۹۲۱ء کے زمیندار میں چھپ چکے ہیں علامہ اقبال اپنی عمر کے آخری ایام میں قائداعظم کے ساتھ تھے لیکن ۹ نومبر ۱۹۲۱ء کے زمیندار میں محمد علی جناح سے بھی پانچ شعروں میں چٹکی لی۔ اسی طرح پہلی جنگ عظیم میں علامہ نے دہلی کی وار کانفرنس میں نو بند کی ایک مسدس لکھ کر سنائی جس میں شہنشاہِ انگلستان سے متعلق دو بند قصیدے کا انتہائی غلو رکھتے ہیں۔ جب یہ تمام نظمیں شاعرانہ محاسن کے باوجود علامہ نے اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیں تو مولانا حسین احمد سے متعلق تین اشعار کا ارمغانِ حجاز میں شامل کئے جانا فی الواقعہ سیاسی بدمذاقی اور ذہنی حادثہ ہے۔ اس صورت میں یہ اشعار اور بھی افسوسناک معلوم ہوتے ہیں کہ

(باقی ص ۲۸ پر)

مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب
استاذِ حدیث دار العلوم حقانیہ

اسلام کا نظامِ قصاص و دیّت

(اجمالی جائزہ و تبصرہ اور بعض شبہات کا ازالہ)

اسلامی قوانین کا صرف ایک جزئیہ (قصاص و دیت) انسانی حقوق و معاشرت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو کس قدر حاوی ہے حالیہ قصاص و دیت آرڈیننس اور کچھ لوگوں کی ہڑتال کے بعد اس سلسلہ میں اہلِ علم کے مقالوں اور ہمہ پہلو تحقیقات سے حِکَمْ و مصالح اور توضیحات اس قدر سامنے آ گئے ہیں کہ ایک طالبِ حق اور سلیم الفطرت انسان کے لئے سوائے تسلیم و رضا اور شرح صدر کے کوئی چارہ نہیں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمن صاحب مدظلہ نے بھی خالص علمی اور سلجھے ہوئے انداز میں درج ذیل مقالہ تحریر کیا ہے جس میں اصل مسئلہ کی توضیح کے ساتھ بعض شبہات کا مؤثر ازالہ بھی کیا ہے۔ حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی مدظلہ کی مرسلہ ایک مختصر تحریر بھی شریک ہذا ہے جو ایک اہم شبہ کا ازالہ ہونے کے پیشِ نظر بے حد نافع ہے مگر حکومت کی چپ سادھ نشریاتی اداروں اور سرکاری ترجمانوں کی پراسرار خاموشی بلکہ حکومت کے ترجمانوں میں اسلام کا نام تک حذف کر دینا حد درجہ تشویشناک اور خطرناک عزائم کی غمازی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ خود حکومت کی غلطی سے ڈرائیوروں کی ایک ہڑتال نے حکومتی پارٹی سے اپنا منشور تک بھلا دیا، اس سے تو اس احتمال کو بھی تقویت ملتی ہے کہ اس ہڑتال کے پس منظر میں خود ارکانِ حکومت کا ہاتھ سرگرم رہا ہے

یہ نشست کیسی راہ میں تیرے ذوقِ عشق کو کیا ہوا ؛ ابھی چار کانٹے چبھے نہیں کہ ارادے سارے بدل گئے

(عبدالقیوم حقانی)

قصاص و دیت کے اعلان کے بعد جب ڈرائیور برادری کی طرف سے اس پر ملک گیر احتجاج ہوا تو ملکی اور غیر ملکی ذرائع

ابلاغ کے لئے یہ مسئلہ بڑی اہمیت سے موضوع بحث بنا رہا۔ موجودہ قصاص و دیت کے اعلان میں اگر شرعی تقاضے پورے ہوتے تو اس کی تائید و تصویب اتنے زوردار لہجے میں ہوتی جتنے اس کی مخالفت میں مقالے لکھے گئے۔ بعض اہم امور میں بے احتیاطی اور تساہل کا یہ نتیجہ رہا کہ پوری دنیا اسلام کے نظام قصاص و دیت سے مذاق کرنے پر اتر آئی۔ خدانخواستہ اگر اسلام کے ان فوجداری دفعات میں شرعی تقاضے پورے نہ کئے گئے تو شاید آئندہ کے لئے کوئی بھی اس ملک خداداد میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جرأت نہ کر سکے۔

"تادم تحریر اس مسئلہ پر جو مقالات سامنے آئے ہیں ان میں کوئی ایسا مقالہ نظر سے نہیں گذرا جس میں قصاص و دیت کے سرکاری شائع کردہ قانون میں سقم اور کمزوری کے ہوتے ہوئے شرعی نقطہ نظر سے اس کے قابل عمل ہونے کو ثابت کیا گیا ہو۔ ارباب علم و دانش اور نفاذ اسلام کے مخلص اصحاب فکر نے اصلاح کی کوشش کی۔ کمزوریوں اور اسقام کی نشاندہی کرنے کے بعد متبادل تجاویز پیش کیں۔

دوسری طرف بعض جدت پسندوں نے موجودہ مسودہ قانون میں سقم اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے نظام قصاص و دیت کو اپنا ہدف اور درفشانی کا نشانہ بنایا۔ ایسے رکیک اور غیر معیاری اعتراضات اور شبہات کئے جو کسی مسلمان سے ناقابل توقع ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ان کے اکثر اعتراضات کا منشا مذہب اور عقیدہ سے ناواقفیت کے علاوہ مروجہ نام نہاد آزادی اور جدت پسندی کی مذموم خواہش رہی۔

<u>قصاص و دیت کے بارے میں اہم شبہ</u> | قصاص و دیت آرڈیننس کے بعد قصاص و دیت کے بارے میں جو غلط فہمی پیدا ہوئی اس میں ڈرائیور کو ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی ادائیگی کے ذمہ دار ٹھہرانے کے علاوہ خود اس کا فعل بھی موضوع بحث رہا۔ یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ ڈرائیور کے ہاتھوں کا قتل قابل مواخذہ جرم نہیں قرار دینا چاہیئے۔ کسی ڈرائیور کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ وہ کسی شخص کو شوقیہ قتل کرے۔ ڈرائیور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرتا ہے۔ موت کے منہ میں بیٹھ کر انسان کی خدمت کرتا ہے۔ آخر اس سے یہ توقع کیسے ممکن ہے جب کہ بسا اوقات ڈرائیور کو خود اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایکسی ڈنٹ کی موت کو قابل مواخذہ جرم قرار دینا ناانصافی کے مترادف ہے۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ایکسی ڈنٹ کا تصور زمانہ قدیم میں نہیں تھا کیونکہ اس وقت گاڑیاں نہیں تھیں۔ اس لئے اس کو خواہ مخواہ قتل کی پرانی قسموں میں شمار کرنا لایعنی کوشش ہے۔

<u>قصاص و دیت کے بارے میں قابل تشریح نکات</u> | ان شبہات کے ازالہ کے لئے اسلام کے نظام قصاص و دیت کے چند پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ ایسے غیر معیاری شبہات کا موقع نہ رہے

۱- ایکسیڈنٹ کی صورت میں قتل کی حقیقت کیا ہے۔ اور یہ قتل النفس کی کونسی قسم میں آتا ہے؟

۲- اسلامی نظام قصاص و دیت میں ایسی قسم کے لئے کونسی سزا مقرر ہے اور اس کے اثرات و منافع کیا ہیں؟

۳- قصاص و دیت آرڈیننس کے مسودہ قانون میں اس اعتبار سے کونسی خامیاں پائی جاتی ہیں۔

تحفظ نفس کا محیر العقول نظام ایکسیڈنٹ کے قتل کی حقیقت بیان کرنے سے قبل یہ جاننا چاہیئے کہ اسلام کی رو سے انسانی نفس کو جو عزت و عظمت اور تقدس حاصل ہے یہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں پایا جاتا۔ ایک سیٹ میں انسان کے خون کو بلا امتیاز مذہب و عقیدہ ہر لحاظ سے تحفظ حاصل ہے یہ ممکن نہیں کہ نفس محترمہ کا خون رائیگاں ہو۔ جس صورت میں نفس محترمہ سے کسی غیر شرعی طریقہ سے کھیلا گیا۔ تو اس کا حساب لیا جائے گا۔ اگر قصاص کی صورت میں ممکن ہو تو قصاص لیا جائے گا ورنہ دیت لازم ہوگی۔ اگر قاتل معلوم نہ ہو تو قسامت کی رو سے اہل محلہ سے دیت لی جائے گی۔ ورنہ بصورت دیگر حکومت ذمہ دار ہوگی۔ اس لئے فقہا کرام نے نفس محترمہ کے ضیاع کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں۔

جن میں "قتل عمد" میں قصاص اور قتل شبہ بالعمد۔ خطاء، جار مجرائی خطاء اور قتل بسبب میں دیت لازمی قرار دی ہے۔ موجودہ مسئلہ کا تعلق "قتل خطاء" سے ہے۔ اس لئے دوسری قسموں کی حقیقت بیان کرنے سے قطع نظر ہم قتل خطاء کی حقیقت کا جائزہ لیں گے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ایکسیڈنٹ کا قتل، قتل خطاء کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

قتل خطاء کی حقیقت "خطاء" کے عنوان سے یہ واضح ہے کہ یہ ایسا قتل ہے جس میں قاتل کا ارادہ اور نیت شامل نہیں گویا "قتل خطاء" کی حقیقت یہ ہے کہ بغیر کسی نیت اور ارادہ کے کسی انسان کے ہاتھ سے دوسرے انسان کی جان ضائع ہو۔ عموماً اس کی دو صورتیں بتائی جاتی ہیں۔

۱- خطاء فی القصد۔ ۲- خطاء فی الفعل۔

اول الذکر کی حقیقت یہ ہے کہ قاتل غلط فہمی کا شکار ہو، کسی انسان کو حیوان سمجھ کر شکار کی نیت سے اس کو مارے اور موخر الذکر کا بیان یہ ہے کہ کسی بے احتیاطی یا فنی غلطی سے کسی انسان کی جان اس کے ہاتھ سے ضائع ہو۔ مثلاً شکار کو مارتے ہوئے اس کی گولی اچانک انسان کو لگے۔ یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن میں قاتل کا یہ ارادہ نہیں کہ وہ کسی کو قتل کرے بلکہ بغیر قصد و عمد سے انسان کی جان ضائع ہوئی۔

ایکسیڈنٹ کی صورت بھی کچھ اس طرح ہے کیونکہ اس میں ڈرائیور کا ارادہ نہیں ہوتا کہ وہ انسان کو قتل کرے ڈرائیور تو اپنے مقصد میں مصروف عمل ہے۔ شاید کسی بے احتیاطی یا غفلت اور لاپرواہی سے کسی کی زندگی اس کے ہاتھوں سے تمام ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بسا اوقات ڈرائیور کی کوئی غلطی نہ ہو بلکہ مقتول خود عمداً یا سہواً گاڑی کے آگے آئے لیکن ایسی صورت میں بھی ڈرائیور کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ قتل ہر صورت میں ڈرائیور کے ہاتھوں سے ہوا ہے مثلاً شکار کو مارتے ہوئے کوئی شخص قصداً اگر شکاری کے بندوق کے سامنے کھڑا ہو تو فقہا کی رائے میں شکاری کو

بری الذمہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بہرحال ایکسیڈنٹ کا قتل، قتل خطا سے کسی صورت میں زیادہ نہیں۔

قتل خطا کی سزا دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں جس میں خطا قابل مواخذہ جرم نہ ہو۔ اگر کوئی شخص کسی کی قیمتی چیز غلطی سے توڑ دے تو کیا توڑنے والے کو معاف کردیا جائے گا۔ گروہ محض یہ کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ شریعت میں خطا اور نسیان اخروی اعتبار سے قابل مواخذ جرم نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ میری امت کا محاسبہ خطا اور بھول پر نہیں ہوگا۔

لیکن دنیوی احکام کے اعتبار سے اس پر مواخذہ ہے۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے اس میں خطا اور نسیان کوئی عذر نہیں۔ خاص کر جب کسی چیز کے ضائع ہونے پر ضمان اور تاوان کا مسئلہ ہو۔

قتل خطا بھی دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل مواخذہ ہے اس پر جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں وہ تین ہیں:۔

۱۔ اگر مقتول قاتل کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار ہو جس کی موت پر قاتل کو وراثت کا حق پہنچتا ہو تو قتل کی وجہ سے قاتل حق وراثت سے محروم رہے گا۔ کیونکہ اس میں اس کا احتمال بھی ہے کہ کہیں قاتل نے جائیداد ہتھیانے کے لئے قتل کا یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔

۲۔ دوسری سزا یہ ہے کہ انسانی جان اللہ تعالیٰ کی عظیم مقدس امانت ہے اس میں خیانت کرنے پر قاتل دو مہینے متواتر روزے رکھے گا: تاکہ قاتل کو اپنے کئے ہوئے جرم پر ندامت اور افسوس کا احساس ہو۔ اس کا تعلق چونکہ فیما بینہ و بین اللہ ہے۔ اس لئے اس میں جبر اور طاقت کے استعمال کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ تیسری سزا خون بہا کی ادائیگی ہے تاکہ انسان کا خون ضائع نہ ہو۔ قتل خطا کی صورت میں یہ خون بہا دس ہزار دراہم ہیں جو دو ہزار نو سو سولہ تولہ آٹھ ماشہ (۲۹۱۶ تولہ ۔ ۸ ماشہ) چاندی کے مساوی ہے۔ لہٰذا اتنی مقدار میں چاندی کی مروجہ قیمت دیت شمار ہوگی۔ خون بہا کی اتنی خطیر رقم کی تقرری میں بنیادی فلسفہ مقتول کے زخم خوردہ ورثا کے لئے تسلی ہے۔ ممکن ہے اس مالی تعاون سے ان کے جذبات ٹھنڈے ہوں۔ انتقامی جذبہ کا جو لاوا ان کے دلوں میں ابل رہا تھا، شاید خون بہا کی وصولی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار کون ہے؟ لیکن اتنی بڑی رقم کی ادائیگی شاید قاتل کے بس میں نہ ہو۔ ممکن ہے کہ تحمل کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر سکے جس سے دیت کی ادائیگی ناممکن ہو اس لئے شریعت نے اس کو ممکن بنانے اور قاتل کو ہلاکت کے اس بھنور سے نکالنے کے لئے دیت کی ادائیگی کی ذمہ داری "عاقلہ" کے کندھوں پر ڈالی۔ عاقلہ سے مراد اہل دیوان (دفتری ریکارڈ میں متعلقہ زمرہ) قوم، قبیلہ، "عاقلہ" کے تعین میں بنیادی تصور یہ ہے کہ جن لوگوں سے تکلیف اور مصیبت کے وقت قاتل تعاون اور مدد کی امید رکھتا ہو وہی اس کا عاقلہ متصور ہوگا۔ موجودہ وقت میں یونین محکمہ اور کمپنی اس کے ضمن میں آ سکتے ہیں۔ مثلاً سکول کا ایک استاد کہیں قتل خطا

کا مرتکب ہو تو اس قتل کی دیت پورے صوبہ کے اساتذہ سے لی جائے گی۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک گمنام شخص کے جرم کی سزا پورے محکمہ والوں کو کیوں دی جاتی ہے۔ لیکن اسلامی ذہن رکھنے والا شخص ایسے لایعنی شبہات کا کبھی تصور بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ تمام مسلمان بمنزلہ جسد واحد ہیں۔ ایک عضو کی تکلیف پر پورا جسم حرکت کرتا ہے۔ مشرق میں رہنے والے کی خوشی اور غم کا احساس مغرب میں رہنے والے مسلمان کو ہوگا۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی مصیبت میں واقع ہونے پر لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ اسلام میں قومی وحدت اور یگانگت بنیادی چیز ہے لہٰذا ایسی مصیبت میں کم از کم اس نے عاقلہ کو تعاون کا ہاتھ یقیناً بڑھانا چاہئیے۔

عاقلہ پر دیت کے تعین کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہے کہ اتنی بڑی قوم جب دیت ادا کرے گی تو لازماً قاتل کو ایسے اوصاف اور باتوں سے یاد کرے گی جس کے سننے کا گوارا قاتل کو نہیں ہوگا۔ ایسے قبیح منظر سے بچنے کے لئے آئندہ ہر ایک شخص نہایت احتیاط سے کام لے گا۔ اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ بھی مہذب طریقہ سے قاتل کو سزا دینے کی ایک صورت ہے۔ ورنہ ایک معزز شخص لاکھوں روپے قربان کر کے اپنے بارے میں ایسی باتیں سننا گوارا نہیں کرتا۔

<u>دیت کی وصولی کا طریقہ کار</u> علاقہ پر دیت کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے یہ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو اس کی طاقت سے بالا ہو۔ دیت عاقلہ سے مجموعی طور پر تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی روشنی میں ایک شخص پر تین سالوں میں چار دراہم یعنی چودہ ماشہ چاندی کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ لہٰذا اگر چاندی کی قیمت ساٹھ روپے تولہ ہو تو ایک شخص سے تین سالوں میں صرف ستر (۷۰) روپے وصول ہوں گے۔ جو ماہانہ طور پر دو روپے سے بھی کم بنتے ہیں۔ پھر اگر قریبی علاقہ میں اتنی گنجائش نہ ہو تو عاقلہ کا دائرہ وسیع کیا جائے گا۔ تاکہ ایک شخص پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جا سکے۔

پھر دیت کی وصولی کے لئے آسان طریقہ متعین کیا گیا ہے کہ دیت لوگوں کے ماہانہ، ششماہی اور سالانہ وظائف سے منہا کیا جائے گا۔ موجودہ دور میں ہر مہینہ کی تنخواہ سے اگر اوسطاً دیت کی رقم کاٹی جائے تو شاید دو روپے سے متجاوز ہو جو تنخواہ دار طبقہ پر کوئی خاص بوجھ نہیں۔

اس محیر العقول نظام تحفظ جان سے کسی کو ڈرنا نہیں چاہئیے۔ یہ دین فطرت ہے اس میں نہ ظلم کی حوصلہ افزائی ہے اور نہ ظالم کا استیصال مقصود ہے۔ اسلام میں ظالم اور مظلوم دونوں سے تعاون کیا جاتا ہے۔ ظالم سے تعاون کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ظلم سے باز رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور مظلوم کی طرف ہمدردی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا جاتا ہے۔ نظام دیت میں اگر ایک طرف قاتل کو جھنجھوڑا جاتا ہے تو دوسری طرف عاقلہ پر یہ ذمہ داری ڈال کر اس کے ساتھ سہولت اور آسانی کا رویہ رکھتا ہے۔ پھر دیت کی وصولی سے مقتول کے غمزدہ ورثاء کے لئے اطمینان دلانے کا ہمدردانہ رویہ اسلام کا انفرادی مقام ہے۔

موجودہ نظام قصاص و دیت کی خامیاں

نظام قصاص و دیت کا آرڈی ننس کے ذریعہ نافذ کردہ مسودہ کوئی نیا نہیں اس پر جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بہترین کام کیا ہے اس وقت قصاص و دیت کا مسودہ علماء کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم دارالعلوم کے خدام نے اپنی طرف سے کچھ تجاویز بھیجی تھیں جو ماہنامہ الحق جلد ۱۶ شمارہ ۴ میں شائع ہوئی تھیں۔ حالیہ آرڈی ننس میں اسلامی خدوخال کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ صرف ڈرائیور کو قتل خطا کی صورت میں دیت کا ذمہ دار ٹھہرانا اسلام کے عادلانہ نظام کے روح کے منافی ہے۔ ڈرائیور سے صرف اتنی رقم لی جائے گی جو اس کی برادری کے عام ممبر سے لی جاتی ہے۔ اس میں عاقلہ کو بری الذمہ قرار دینا اسلامی نظام کا تقاضا نہیں۔

ایسا ہی ایک لاکھ ستر ہزار روپے کا قطعی تعین بھی شرعاً درست نہیں اس لئے کہ چاندی کے اعتبار سے شرعی معیار کا اظہار ضروری ہے یہ قیمت تو وقت کے ساتھ ساتھ کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ پھر حکومت کا یہ فیصلہ بھی غیر دانشمندانہ ہے جس میں دیت کی ذمہ داری انشورنس کمپنی کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ انشورنس کمپنی ہر ایک عاقلہ نہیں اور بغیر عاقلہ ہونے کے دیت کی ادائیگی ان کی ذمہ داری نہیں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ محکمہ، یونین، اور قوم قبیلہ عاقلہ قرار دے کر ان کو دیت کی ادائیگی کا پابند قرار دیا جائے۔

علاوہ ازیں نظام شہادت کے فقدان کی وجہ سے قصاص و دیت سے خاطر خواہ نتائج کی توقع بے سود ہے۔ موجودہ نظام شہادت کے ہوتے ہوئے اس نظام کا کامیابی سے ہمکنار ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نظام قصاص و دیت کے ساتھ ساتھ نظام شہادت کا اعلان بھی ہو۔

ایک غلط تأثر کا دفاع

مولانا قاضی عبد الکریم مدظلہ

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کے مبارک دن ملک میں قصاص و دیت کا قانون نافذ کر دیا گیا تو دیندار مسلمانوں نے اسے صدر مملکت کا بہترین کارنامہ قرار دیا جو کہ حقیقت کے عین مطابق تھا ـــــ نئی حکومت قائم ہوئی اور معاً ڈرائیوروں کے عام ہڑتال کا سانحہ پیش آیا تو افواہ اڑا دی گئی کہ اسلامی قوانین کا برداشت کرنا آسان کام نہیں۔ یہ تو ایک قانون نافذ کر دینے کا ردّ عمل ہے اور اگر شریعت اسلامیہ کو مکمل طور پر نافذ کر دیا گیا تو اس کا انجام کیا ہو گا۔

اس شرارت کے بین السطور دراصل موجودہ حکومت کو خوف زدہ کرنا ہے کہ وہ سینٹ اور قومی اسمبلی سے شریعت بل کو منظور کرانے کے وعدوں سے پھر جائے اور جس طرح وہ خود اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے کر غرق ہوئی ہے یہ بھی

اسی طرح طبعی عمر پوری کرنے سے پہلے پہلے غرق ہوجائے۔

ہڑتالیوں سے بات چیت کے بعد اخبارات میں یہ اعلان چھپا کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قصاص و دیت کے قانون میں ترمیم کرے اور یہ بتایا جائے کہ ڈرائیور پر جو دیت عائد ہوگی وہ اس کے عاقلہ یونین وغیرہ برداشت کرے گی نہ کہ وہ ذاتی طور پر۔ اب شریعت اسلامیہ کے نفاذ سے خوف زدہ لوگوں نے پینترا بدلا اور کہنے لگے کہ:۔

دیکھا اسلامی قوانین جنہیں ابدی کہا جاتا ہے اس میں طاقت کے بل بوتے پر ترمیم کی جا سکتی ہے

اور یہ کہ نفاذ شریعت کا نعرہ لگانے والے ع

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

دراصل نفاذِ شریعت کے مخالفین کو موجودہ انتخابات سے جو دھکا لگا ہے وہ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے اس قسم کے حربے استعمال کرنے لگے ہیں۔

اظہارِ حقیقت، حقیقت یہ ہے کہ ہڑتالیوں کو جو پریشانی لاحق ہوئی ہے وہ اسلام کے قانون دیت سے نہیں بلکہ اسلام کے قانون دیت میں ترمیم کرنے سے پیش آئی۔ مؤثق ذرائع کے مطابق سینیٹ میں موجودہ علماء نے قصاص و دیت سے متعلق جو مسودہ پیش کیا تھا اور اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل نے اس کے متعلق جو سفارشات پیش کی تھیں اس میں پہلے ہی سے یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ اسلامی شریعت کے رو سے قتل خطاء کی دیت مجرم پر نہیں بلکہ عاقلہ یونین پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہ کہ وہ تین سال تک اس کو ادا کرنے کے پابند ہیں۔ سابق حکومت کے کارندوں نے دانستہ یا نادانستہ اسلام سے ناواقفیت یا اسلام کو بدنام کرنے سے عاقلہ کا لفظ اڑا دیا۔ جس سے متاثرین کو پریشانی لاحق ہوئی۔ یعنی اسلامی قانون دیت سے تم نے ایک لفظ اڑا دیا تو پریشانی لاحق ہوئی۔ تم نے توبہ کی اور حذف شدہ لفظ کو واپس لا کر اس قانون کو اسلام کے مطابق کر دیا تو اطمینان ہوا۔ تو ملک کے عوام کو عموماً اور ملک کے زمام اقتدار کو سنبھالنے والوں خصوصاً اچھی طرح یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ شر اور فساد کا منبع اسلامی قوانین میں ردّو بدل اور ان سے لاپرواہی ہے نہ کہ اسلامی قوانین کا صحیح نفاذ۔

شاعر مشرق کا یہ پیغام ایک لمحہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ؎

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہوکر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

وما علینا الا البلاغ

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک

آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاؤڈر

adamjee

آدمجی پیپر اینڈ بورڈ ملز لمیٹڈ

آدمجی ہاؤس۔ پی۔ او بکس ۴۳۳۲۔ آئی۔ آئی چندریگر روڈ۔ کراچی ۲

NATIONAL 45 H

مولانا پروفیسر محمد اشرف (پشاور)

حقیقتِ ذکر کے حصول کی معالجانہ تدبیر

(علامہ سید سلیمان ندوی کے افکار کی روشنی میں)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد میں دل کی کامل بیداری اور دھیان کے ساتھ مشغولیت ہی اصلِ ذکر ہے۔ اور قلب ہی حقیقتاً ذاکر ہے۔ اس لئے بشرطِ اخلاص تیقظِ قلبی جس قدر کامل ہوگا اور توجہ جتنی تام ہوگی۔ اس قدر ذکر مقبول و مؤثر نورانی اور طمانیتِ قلبی کا سبب ہوگا۔ دل کی توجہ کو کلیتہً ذکر میں شاغل رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دل 'غیر اللہ' سے فارغ اور پریشان خیالی سے مامون ہو کہ جب تک فراغتِ قلبی اور یکسوئی خاطر میسر آئے سالک کو انتشار و تشتت پریشان رکھتا ہے۔ اور وہ ذکر کی کما حقہ 'یافت' سے محروم رہتا ہے۔ پریشان خیالی اشتغالِ غیر اور وساوس انتشارِ قلبی کا عموماً سبب ہوتے ہیں۔ اس لئے محقق صوفیہ سالکین کی توجہ افرادِ ذکر (یعنی مذکور، ذاکر یا ذکر) پر مرتکز کرنے اور یکسوئی کے لئے مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ یہ تدابیر محض معالجہ کے طور پر ہوتی ہیں۔ ان کی حیثیت محض ذرائع کی ہے۔ اس لئے یہ کسی درجہ میں مقصود نہیں ہوتی۔ یہ تدابیر نہ تو بذاتہٖ عبادت ہوتی ہے نہ موجب ثواب و ترقی۔ اس لئے ان کا قربِ ربانی میں بھی کوئی دخل نہیں ہوتا ان کا بڑا فائدہ صرف اتنا ہے کہ پراگندہ خاطر ذاکر کو ان کے اختیار کرنے سے یکسوئی نصیب ہو جاتی ہے اور اس کی توجہ افرادِ ذکر پر مرکوز ہو جاتی ہے اور وہ وساوسِ قلبی اور انتشارِ ذہنی سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی سلیم الطبع، طالب، حقیقتِ ذکر کو ان 'معالجانہ تدابیر' کے بغیر ہی حاصل کر سکے تو اسے ان 'تدابیر' کے اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بعض سالکین، 'ذریعہ' کو 'مقصد' سمجھنے کی غلطی میں ایسے مبتلا ہو جاتے ہیں کہ مقاصد کو گم کر کے ذرائع ہی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ تدابیر و ذرائع کو ان کا اپنا مقام دیا جائے۔ اور مقاصد کو پہچان کر ان کے حصول کی کوشش کی جائے۔ حضرت والا رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ:

"سالکین ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیتے ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں"

اس لئے ضروری ہے کہ سالک 'مقاصد'، 'ذرائع'، 'غایات' اور 'تدابیر' میں تمیز و تفریق کر سکے۔ تدابیر و ذرائع میں غلو یا انہیں مقاصد و غایات سمجھ لینا اس راہ کا بڑا پتھر ہے۔ بلکہ بعض اوقات دائمی محرومی اور

ناکامی کا سبب بن جاتا ہے کہ سالک غیر مقصود کو مقصود قرار دے کر اس کا ایسے درپے ہوتا ہے کہ منزل ہی کو بھول جاتا ہے۔ شیخ حاذق کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ طالب کو اس پرخار وادی سے بچا کر لے جاتا ہے اور اسے راہ کے کانٹوں سے الجھنے نہیں دیتا۔ اور مقاصد و ذرائع غایات و تدابیر اور حق و باطل میں بے محابا تفریق کی لکیر کھینچتا چلا جاتا ہے۔ اور طالب سلوک کی واضح راہ کو بغیر کسی رکاوٹ علی وجہ البصیرۃ کے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

ہمارے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ اس راہ کی گھاٹیوں کے ماہر راہ بین و رہنما تھے۔ اس لئے سالکین کو ابتدا ہی میں ان مراحل و 'عقبات' سے آگاہ فرما دیتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کے نام مکتوبات میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔ ایک طالب کو 'ضرب' اور "نور کے تصور" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :۔

"...... پھر ڈھائی ہزار دفعہ 'اللہ' ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں۔ ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب (مگر یہ سمجھیں کہ یہ ضرب کوئی دینی امر نہیں ہے بلکہ محض علاج کے طور پر ہے کہ مؤثر ہو)

...... ذکر کے وقت یہ تصور کریں کہ عرش سے نور آپ کے قلب پر پڑ رہا ہے (یہ تصور بھی دینی امر نہیں ہے بلکہ بطور معالجہ کے ہے تاکہ یکسوئی ہو")

انہی کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :۔

" نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ یہ مقصود خود نہیں ہے مقصود تو یکسوئی ہے۔ توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو۔ ورنہ ذکر کی طرف ہو۔"

ایک طالب نے لکھا :۔

" قلب پر نقش اللہ کا بے رنگ نقرہ و سفید تصور کرتا ہوں مگر رنگ کا تصور دیرپا نہیں ہوتا۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا :۔

" زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے ...... (یہ امور) غیر مقصودہ ہیں۔"

ایک مسترشد خاص نے لکھا۔

" دوران ذکر لفظ 'اللہ' کا قلب پر تصور قائم نہیں رہتا ... اس کے قیام کی صورت ہے ایما فرمائیں۔"

حضرت الشیخ قدس سرہ نے ارقام فرمایا۔

"جتنی دیر ہوتا ہے وہ غنیمت ہے۔ اس پر مزید کاوش کی ضرورت نہیں۔ یہ مقصود بالذات نہیں۔ اور مزید کاوش سے اور پریشانی بڑھے گی" (تذکرہ سلیمان صہ ۴۲۴)

سالک مذکور نے ذکر میں انتشار خیالات کی شکایت کی۔ حضرت والا نے عاجلاً تحریر فرمایا:۔

"ذکر میں انتشار خیال سے پریشان نہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ نے قلب و دماغ کو ایسا ہی بنایا ہے کہ اس میں حرکت فطری ہوتی رہے یہ شاہی شاہراہ ہے۔ آپ کون اس پہرہ بٹھانے والے کہ اس شاہی شاہراہ پر چوہڑے چمار نہ چلنے پائیں۔ آپ اپنی راہ چلیے وہ اپنی راہ چلیں۔ بحسب تجویز اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب آپ یہ خیال کیا کیجیے کہ "اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی بھی قدرت ہے کہ دل کے ایک قطرہ میں خیالات کا سمندر بھر دیا ہے اللہ رے اس کی عظمت و کبریائی" اس تصور سے یہ خیالات پریشان معرفت کے آیات بن جائیں گے۔ ایسے وقت یہ شعر پڑھ لیا کیجیے

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل

سج رہا ہے شاہ خوباں کیلئے دربار دل (تذکرہ ۱۳۴)

خیال رہے۔ یہ تصور بھی تدبیر و معالجہ کے درجہ میں ہے جس کی حیثیت طالب مذکور کو پہلے بتائی جا چکی ہے"

یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ یکسوئی خیال، کی بھی اختیاری حد تک کوشش کرنی چاہیے اپنی کوشش کے باوجود اگر یکسوئی، حاصل نہ ہو تو اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے بعض اذہان فطرۃً اتنے سریع الحرکت ہوتے ہیں کہ ایک بات پر ان کا ارتکاز مشکل ہوتا ہے اس لئے عقیدہ و مقصد کی صحت کا اذعان و یقین کافی ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو پھر انتشار کی فکر کئے بغیر اپنے معمولات و مشاغل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیے یکسوئی کی امکانی و اختیاری کوشش کافی ہے۔ حصول یکسوئی، کے ہم مکلف نہیں۔ حضرت والا قدس سرہ کو ایک سالک نے لکھا:۔

"بحمد اللہ معمولات پر کاربند ہوں لیکن خیال میں یکسوئی نہیں رہتی بلکہ سخت انتشار رہتا ہے"

حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ نے جواباً ارقام فرمایا:۔

"یہ شکر کا مقام ہے۔ یکسوئی عقیدہ کی مطلوب ہے اور وہ آپ کو حاصل ہے یعنی یہ کہ صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے آپ کام کر رہے ہیں یہی مقصود ہے۔ باقی یکسوئی خیال جس کا دوسرا

نام محو ہو جانا یا انہماک ہے۔ نہ مقصود ہے اور نہ ہر ایک کے لئے محمود " (تذکرہ سلیمان ص۵۲۶)

حضرت والا کا حکیمانہ جواب سالکین کے لئے سرمۂ بصیرت ہے۔ اسی سالک کے ایک دوسرے سوال کا جواب بھی عجب پر حکمت اور نافع ہے۔ سالک نے لکھا:۔

" بعض مرتبہ عجب حال رہتا ہے کہ نماز میں تو وہ یکسوئی و رجوع کی کیفیت نہیں رہتی لیکن اس کے بعد ذہن و قلب تمام تر متوجہ بحق محسوس ہوتا ہے ..... شاید یہ دھوکا ہے کیونکہ اگر یہ کیفیت واقعتاً رجوع کی ہے تو نماز میں کیوں نہیں رہتی۔ حالانکہ نماز میں تو زیادہ قرب حاصل رہتا ہے "

حضرت والا نے تحریر فرمایا:۔

" نماز میں اعمال مختلف ہوتے ہیں جس سے وہ یکسوئی جس کو آپ یکسوئی سمجھتے ہیں نہیں ہوتی، کیا خدمت گار خدمات کے انجام دینے میں مالک کی محبت کی یکسوئی کا تصور کرتا ہے؟ مگر یہ خدمت خود ہی محبت کی دلیل ہے اور اطاعت کی، نافہم! نماز سے فراغت کی حالت میں یکسوئی مستمر ہو کر محسوس ہوتی ہے۔ مگر یہ کوئی چیز نہیں "

(تذکرہ ص ۹۰)

ایک دوسرے سالک کے اسی قسم کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:۔

" زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے لئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے ہر چیز اپنے وقت پر حسب استعداد اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے "

مولانا سمیع الحق کا افغانستان کے جنگی محاذوں کا دورہ

دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم اور ماہنامہ الحق کے مدیر حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے گذشتہ ماہ افغانستان میں مجاہدین کے بعض مراکز، محاذِ جنگ، جہاد کے مورچوں اور جنگ سے متاثرہ علاقوں کا تفصیلی دورہ کیا۔ انہوں نے جہادِ افغانستان کے معروف کمانڈر اور مرکزِ علم دارالعلوم حقانیہ کے فاضل و سابق مدرس مولانا جلال الدین حقانی کے صوبہ خوست میں قائم کردہ جنگی چھاؤنیوں اور فوجی اہمیت کے اہم مراکز دیکھے۔ جو افغان مجاہدین کے قبضہ میں ہیں۔ دشمن پر حملہ کے لئے یہاں سے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ مولانا سمیع الحق نے خوست شہر کے ارد گرد باڑی کے مرکزِ جہاد میں افغان جرنیل مولانا جلال الدین حقانی سے ملاقات کی۔ جہادِ افغانستان کی تازہ ترین صورت حال، عالمی رائے عامہ، افغان قیادت کے ترجیحات اور پاکستان میں جہاد کی حمایت کے پیش رفت کے سلسلے میں ایسے اہم موضوعات پر تبادلہ خیال کیا اور اس دوران مجاہدین نے مولانا حقانی کی کمانڈ میں شیخ امیر چھاؤنی خوست پر شدید حملہ کیا جو دو دن جاری رہا۔ اس دوران مولانا سمیع الحق بھی افغان مجاہد کمانڈر کے ساتھ دو دن مورچہ میں رہے اور بعض اوقات جہاد میں عملاً حصہ لینے کی سعادت بھی حاصل کی۔

مولانا سمیع الحق نے باڑی کے علاوہ ژاور کے مرکز اور مجاہدین کے سلمان فارسیؓ مرکز کا بھی دورہ کیا انہیں افغان قیدیوں اور مجاہدین سے آ ملنے والے سینکڑوں افغانیوں سے بھی ملایا گیا۔ مرکزی چھاؤنی ژاور میں عرب دنیا اور عالم اسلام سے جہاد کے لئے آئے ہوئے سینکڑوں نوجوانوں سے خطاب بھی کیا اس کے علاوہ موصوف نے جہادِ پکتیا کے دو عظیم شہید جرنیلوں مولانا احمد گل حقانی اور مولانا فتح اللہ حقانی اور دیگر شہدائے جہاد کے مزارات پر فاتحہ خوانی بھی کی۔ یہ دونوں جرنیل دارالعلوم کے روحانی فرزند، شیخ الحدیثؒ مولانا عبدالحق مدظلہ کے خصوصی تلامذہ اور مولانا سمیع الحق کے مخلص رفقاء تھے۔

جہاد افغانستان کی تازہ ترین صورت حال پر مولانا جلال الدین حقانی مدظلہ کا تازہ ترین انٹرویو صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرماویں۔

محفوظ قابلِ اعتماد مستعد بندرگاہ
بندرگاہ کراچی
جہازرانوں کی جنت

بندرگاہ کی خدمات کے جدید انداز کے ساتھ
عالمی تجارت کے لئے پُرکشش
پاکستانی معیشت کی تعمیر کے لئے کوشاں

ہماری کامیابیوں کی بنیاد

- انجنیئرنگ میں کمالِ فن
- جدید ٹیکنالوجی
- مستعد خدمات
- باکفایت اخراجات
- مسلسل محنت

۲۱ ویں صدی کی جانب رواں

بمع

جدید مربوط کنٹینر ٹرمینلز
نئے میرین پروڈکٹس ٹرمینل
بندرگاہ کراچی ترقی کی جانب رواں

4/88. PID - Islamabad

ربّی ساؤل آئی ٹپلرٹز
ترجمہ۔ محمد اسلم رانا

ایک یہودی پیشوا کے حیران کُن انکشافات

یہودی عزائم اور منصوبہ بندی

قوم یہود یا بنی اسرائیل کا سلسلۂ تاریخ ساڑھے تین چار ہزار سال پیچھے تک جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا اور ان کے بڑے بیٹے کا نام یہودا تھا۔ انہی حوالوں سے یہ قوم، یہودی، بنی اسرائیل یا اسرائیلی کہلاتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتاب تورات اور شریعت عطا کی۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے دور میں اس قوم نے سیاست اور حکومت میں عروج پایا اور اسی زمانے میں بیت المقدس میں ان کی مقدس عبادت گاہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر ہوئی — یہی بیت المقدس جہاں مسجد اقصیٰ کی شکل میں مسلمانوں کا قبلہ اول موجود ہے

یہود کی نافرمانیوں اور عصیاں شعاریوں کے باعث قدرت نے بار بار ان پر دوسری اقوام کو غلبہ دیا۔ فراعنہ مصر نے انہیں غلامی کے شکنجے میں کسا تو حضرت موسیٰؑ نے نجات دلائی۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں شاہِ بابل بخت نصر نے ہیکل سلیمانی سمیت بیت المقدس کو تاخت و تاراج کیا اور دس لاکھ یہودیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر عراق لے گیا۔ مگر یہ سخت جان قوم بچ نکلی۔ اور پھر بیت المقدس پہنچ گئی۔ دوسری بار رومیوں نے ہیکل سلیمانی مسمار کیا اور یہودیوں کو فلسطین سے کھدیڑ دیا اور پھر یہ بدبخت قوم ساڑھے اٹھارہ سو برس تک دنیا میں ماری ماری پھرتی رہی اس دوران میں مسلمانوں نے انہیں اسپین، ترکی اور دوسرے علاقوں میں پناہ دی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی فوجیں بیت المقدس پر قابض ہو گئیں اگلے ۳۱ برسوں میں برطانوی حکومت کے سائے تلے صیہونی سازش پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ دنیا بھر سے لاکھوں یہودی آ کر فلسطین میں آباد ہوتے رہے اور پھر ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو مغربی سامراجیوں کی سرپرستی میں عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کے نام سے یہودی مملکت قائم ہو گئی جس نے لاکھوں

فلسطینیوں کو جبراً ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کردیا۔ جون ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ کے نتیجے میں بیت المقدس بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا جہاں مسجد اقصیٰ کو گراکر یہودی از سر نو ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

یہودی دنیا میں کہیں بھی بستے ہوں ان کی امیدوں آرزوؤں کا مرکز ارض فلسطین اور موجودہ اسرائیل ہے۔ روسی یہودی تارکین وطن اسرائیل پہنچ کر اس کی افرادی قوت میں مسلسل اضافہ کررہے ہیں۔ تو ساٹھ لاکھ امریکی یہودی اس غاصب مملکت کے سب سے بڑے پشت پناہ ہیں۔ یہودیوں نے قلیل تعداد میں اور منتشر ہونے کے باوجود کس طرح اپنے آپ کو متحد رکھا ہے اور صفحہ ہستی سے معدوم ہونے سے کس طرح بچے رہے۔ یہ سمجھنے کے لئے اس عیار قوم کے نفسیاتی مطالعے کی ضرورت ہے۔ اور ایک یہودی مذہبی رہنما کا حسب ذیل مضمون اس مطالعے کی ایک دلچسپ کڑی ہے۔

یہودی مذہب ایک لطیف تبلیغی اور پیچیدہ طریق زندگی ہے ہماری کتاب عبادات کے الفاظ میں" شائقین کے لئے زندگی کا درخت ہے"۔

ایک شخص دوسرے کو جو بہترین تحفہ دے سکتا ہے وہ امید ہے۔ ناامیدی بے کسی کی طرف لے جاتی ہے تمام قوموں میں صرف یہودیوں نے شکست پر غلبہ پایا۔ اور قنوطیت کو تسخیر کیا ہے۔ جب ہر امید دم توڑ جاتی تو یہودی نئی امیدیں باندھ لیتے۔ یہودی کبھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور مایوسی کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتا پچھلی صدی کے ایک بہت بڑے ماہر اخلاقیات یہودی کا قول ہے۔ " انسان پر لازم ہے کہ اپنی غلطیاں نکالے اور ساتھیوں کی مدد کرے"۔

اگر ہم یہودی ایمان کا خزانہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ ہم پرانے راستے تلاش کر کے انہیں کھود نکالیں ضروری ہے کہ ہم اپنے ماضی کی میراث کا ادب و احترام سے تنقیدی جائزہ لیں۔ ہمیں ماضی یا حال کے بجائے ان کے بین بین رہنا چاہیئے۔ اس طرح کہ ہماری نگاہیں مستقبل پر مرکوز ہوں۔ اگر ہم حال ہی میں رہیں تو اس جہاز کے مانند ہیں جس کا لنگر نہ ہو کیونکہ ماضی سے صرف نظر کرنا حال کو مفلس بنانا ہے۔ اور اگر ہم فقط ماضی میں رہیں تو حال سے ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مشہور سائنسدان لوتھر بربنک کا کہنا ہے کہ تھوہر اور اس نوع کے پودوں پر حفاظتی کانٹے اُگے ہوتے ہیں۔ یہودیوں کا بھی یہی حال ہے۔ دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام روئے زمین پر سے یہودیوں کا نام و نشان اور شناخت مٹانے کے درپے رہی ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے گرد اپنی حفاظت اور بقا کے لئے کانٹے اُگا رکھے ہیں وہ کانٹے

یہودی اشارہ ویک جھنی ہیں۔

صرف بے اصول یہودی حادثات کا شکار ہو سکتا ہے۔ ہماری سوچ اس نہج کی ہونی چاہیے گویا ساری قوم یہود کا دارومدار ہم پر ہے۔ تین ہزار برس پرانے ایک کتبے کے مطابق اسرائیل برباد ہو چکا ہے۔ اس کی نسل قریب الاختتام ہے۔ اس کے باوجود جب فریڈرش اعظم سے پوچھا گیا کہ خدا کی ہستی کا سب سے بڑا ثبوت کیا ہے تو اس نے جواب دیا "یہودیوں کا بچے رہنا"۔

یہودی تعلیمات کی رو سے ہر دور میں خدا کا ہر انسان سے ایک ہی سوال ہے کہ "تو کہاں ہے؟" ہماری زندگیوں کی کارکردگی ان کی طوالت کے بجائے انہیں گزارنے کے طریقے سے جانچی جائے گی۔ زندگی کی پیمائش کاموں، خیالات اور احساسات سے کی جاتی ہے۔ نفس پرستی کے بجائے محبت، دولت کی جگہ دانائی اور سیم و زر کے بجائے نیکی یہودی ایمان کا جوہر ہے۔

عبرانی زبان میں انسان کو آدم کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کا مادہ اپنے اندر زمین اور خدا کی شبیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ انسان ایک حقیر مخلوق ہے یا خدا کا مقبول بندہ۔ انسان اپنی منزل پر نہیں پہنچ پایا۔ ہمیشہ رواں دواں ہے۔ پیدائشی طور پر انسان کامل نہیں اس میں تکمیل کی صلاحیت ضرور موجود ہے۔ یہودیت سکھاتی ہے کہ ہمارے مخفی قویٰ ہمیں بالائی فضاؤں میں بلند ہونے کو ابھارتے ہیں جب کہ ہم میں ایسی صلاحیت پوشیدہ ہے جو ہمیں تحت الثریٰ تک گرانے کو بے قرار ہے۔

مذہب کو آزمائے بغیر اس پر ناقص ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ مذہب کو مشکل جان کر اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ مذہب زندگی سے فرار نہیں، زندگی ہے۔ مذہب کا مطلب راستبازی سے زندگی گذارنا ہے۔ سچا مذہب محض عقیدہ نہیں طریق زندگی ہوتا ہے۔

حال ہی میں اسرائیلی سپریم کورٹ کو صدیوں پرانا سوال درپیش ہوا کہ "یہودی کون ہے؟" مدتوں سے یہ سوال جواب دینے والوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ پرتگالی زبان کی لغات میں یہودی "دھوکہ باز" کو کہتے ہیں۔ قدیم ویبسٹر ڈکشنری میں فعل "یہودی کرنا" کے معنی ہیں "سودا کرنا یا دھوکہ دینا"۔ ژاں پال سارتر کی رائے میں "جس شخص کو دوسرے یہودی سمجھیں وہ یہودی ہے"۔

یہودی اس کے سوا بھی ہے۔ دنیا بھر میں صرف ہم لوگ ہیں جو ایک مذہب سے متعلق ہیں جس میں کوئی اور فرقہ نہیں۔ ہم واحد مذہبی گروہ ہیں جو ایک ملک سے مربوط ہے یہودیوں کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ روحانی اور معاشرتی مذہبی ایمان کے ذریعے ہم خدا سے متعلق ہیں اور ایک قوم کی حیثیت سے اسرائیل کے ملک سے جو ہماری قومیت کا نقطہ ارتکاز ہے۔ ایک یہودی کا عمود اُ خدا سے اور افقی طور پر اپنے لوگوں سے رابطہ ہوتا ہے۔ یہودی زندگی کے یہ

دو پہلو بالفعل ایک اور ناقابلِ شکست ہیں۔

خدا کی ہم آہنگ کائنات میں ہمارا سوال ہے۔

"میں کیا ہوں ؟" اور جواب ہے "کچھ بھی نہیں۔ سب کچھ خدا ہے۔ وہی سب کچھ ہے۔ ہمارے ہاں خدا کے سینکڑوں نام ہیں۔ خدا باپ ہے۔ دوست ہے۔ مالک کائنات ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ "تُو" ہے۔ ہمیشہ اسرائیل کا خدا ہے۔ خدا کا ایک نام زمین بھی ہے۔ کیونکہ زمین پر کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو ہر پہاڑی پر اس کے ستارے چمک رہے ہیں منکر خدا کہتا ہے۔ خدا کہیں نہیں۔ خدا پرست کہتا ہے خدا یہیں ہے ہمیں خالق کی مخلوق ہونا بھول گیا ہے۔ حالانکہ اس کے بغیر ہم نامکمل ہیں۔

اس صدی کے مشہور یہودی فلاسفر فرانز روزنز نوگ نے یہودیوں کی بے چینی کا سبب یہودی گھروں سے روحانیت کا فقدان بتایا ہے۔ اس کا کہنا ہے۔

یہودیت "ایک خالی پرس" رہ گیا ہے۔ حقیقی مذہب کی عدم موجودگی میں مروجہ مذہبی تعلیم کا کچھ فائدہ نہیں مذہب وہ ہے جو آنکھ سے دکھائی دے۔ منہ سے چکھا جا سکے۔ کان سے سنا جا سکے۔ نیز جیکہ عملی زندگی میں جاری و ساری ہو۔ گھر بدر کر دیے جانے کی صورت میں یہودیت سے بار آوری کی توقع عبث ہے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں ایک نئے نظریے نے جنم لیا۔ "انسان کے انسان سے غیر انسانی سلوک" کے بجائے اب ہم انسان کی طرف سے انسان کو معاف کر دینے کے علمبردار ہیں۔ انسان آسانی سے اپنے بھائی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جارج برنارڈ شاہ رقمطراز ہے :۔

"لوگوں کے ساتھ ہمارا بدترین گناہ ان سے نفرت کرنا نہیں ان سے بے اعتنائی برتنا ہے" یہودیت کی قدیم سے یہ تعلیم ہے کہ خوف، حسد اور نفرت کے جذبات بآسانی جگائے جا سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے محبت کرنی ہے۔ آگ جنگل کو ایک ہی دن میں جلا کر خاکستر کے ڈھیر میں تبدیل کر سکتی ہے لیکن وہ راتوں رات اُگ نہیں سکتا۔ اچھے نظریات کی پیدائش کے لئے ہمارا ایک دوسرے پر اعتماد اور مدد کرنا ضروری ہے اس کے لئے جہدِ مسلسل کبھی کبھار تکلیف برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلے اور عزم کی ضرورت ہے۔

یہودیت کی تعلیم ہے کہ روحانی آزادی کے بغیر جسمانی آزادی بے وقعت ہے۔ ممکن ہے یونان نے نسلِ انسانی کو فلسفہ دیا ہو، ایران نے بنی نوع انسان کو خیالی پلاؤ پکانے سکھائے ہوں اور فینیقیہ نے دنیا کو بحری سفر سکھایا ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہودیت نے حضرتِ انسان کو آزادی کا فن سکھایا ہے۔ مصر سے خروج کے بعد آزادی نے ہمیشہ اسرائیلی لہجے میں بات کی ہے۔ بھائی چارے کا مطلب یہ نہیں کہ سبھی ہمارے بھائی ہیں مل بیٹھنے کا مطلب یہودیت سے مداہنت نہیں تاہم ضروری ہے کہ ہم رواداری اور مفاہمت کی فضا پیدا کریں جہاں ہر دو مذہب ایک دوسرے کے مفادات کو پھلنے پھولنے اور پنپنے دیں۔

جناب الحاج احمد سعید خان ایڈووکیٹ

بدرِ منیر کا دفاع ذرّۂ حقیر سے

ہزاروں میں انتخاب، لاکھوں میں لاجواب

محترم جناب الحاج احمد سعید خان صاحب ایڈووکیٹ نے مؤتمر المصنفین کی مطبوعہ کتاب "دفاع امام ابوحنیفہؒ" کے مطالعہ کے بعد تاثرات پر مبنی ایک وقیع مکتوب ارسال فرمایا ہے۔ عروج و زوال اور ذلت و کمال کے اسباب، علت و معلول کے ارتباط، اہم تاریخی اشارات، امام اعظمؒ کے مرتبہ و مقام، عظمت و منزلت پر ایک دلچسپ ادبی نثر پارہ ہونے کے پیشِ نظر نذرِ قارئین ہے۔ اُمید ہے کہ اربابِ ذوق اس سے حظِ وافر حاصل کریں گے۔ (ادارہ)

گرامی منزلت! سلام مسنون!

ایک مرتبہ پھر آپ سے مکاتبت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، آپ کا خط ہمرشتہ آپؐ کی تالیف کردہ کتاب (دفاع امام ابوحنیفہؒ مؤلفہ مولانا عبدالقیوم حقانی) موصول ہوا جس میں خلوص و محبت کا اظہار فرمایا تھا، میں اس تلطف و ملاطفت اور عزت افزائی کا ممنون ہوں۔ اللہ کرے کہ ادارہ مؤتمر المصنفین کی تحقیقی و اکتشافی سرگرمیاں روز افزوں ہوں۔

مجھے بطور مقدمہ اس بات کی اجازت دیجئے کہ یہ کتاب اصلاً ایک فقہی موضوع ہے۔ بھلا میرے ایسے قاری کو جسے اس کے بنیادی علم کا ادراک نہ ہو اور فقہی اصطلاحات اور اُن کے ناپ تول سے نابلد ہو وہ اس کتاب کو کیا سمجھے گا۔ تاہم جب قاری ان ابواب یعنی فقہی مباحث سے آگے بڑھتا ہے اور امام اعظمؒ کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو پڑھتا ہے تو باقی کتاب سمجھ میں آنے والی بات ہے، تب تو قاری ایسا محو ہو جاتا ہے اور تحریصِ علم کا رشتہ بڑھتا ہے اور اس طرح بڑھتا ہے کہ ہر صفحہ صفحۂ دل پر نقش ثبت کرتا ہے، اُسکے طبع و مذاق، مزاج و نظر میں

تبدیلی واقع ہوتی ہے کبھی سبحان اللہ کبھی مرحبا، کبھی واہ واہ، کبھی دیدۂ مطروح، سینہ مجروح، عقل دنگ، سینہ پر سنگ، سر بزانوئے فکر، نہایت حیرت خیز، عبرت انگیز اور کبھی وامصیبتنا واحسرتنا وااحزنا۔ کتاب جب ختم ہوتی ہے تو قاری چشم پُرنم، شوریدہ جان لیے ہوتا ہے۔ کتاب ولولہ سے شروع ہوتی ہے اور حسرت پرختم ہوتی ہے۔

کتاب کا سرورق خانقاہی ہے مینائی نہیں ہے۔ موضوع پر گرفت خوب ہے، جوش و خروش اور عزم و یقین سے باتیں کی ہیں۔ الفاظ ثقیل اور ترتیب جمیل ہے، ان میں اتحاد و ارتباط، توازن و تناسب برقرار ہے۔ تحریر مرقع اور مُسجع ہے اور یہ کتاب پڑھنے کا فطری مطالبہ رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کو طاقت اور زبان کو طلاقت بخشے۔

ایک بات لکھتے ہوئے دشواری محسوس ہوتی ہے کہ میں کتاب کے نام سے متفق نہیں ہوں اور یہ عنوان "دفاع امام ابوحنیفہؒ" قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ آپ نے امامؒ کا دفاع کیا مگر کس سے؟ یہ کہ بدرِ منیر کا دفاع کیا ذرّہ حقیر سے؟ مہر و نیمروز روشن کا دفاع کیا ٹمٹماتے ہوئے چراغ سے؟ شیر کا دفاع کیا شغال سے؟ شہباز کا دفاع کیا ممولہ سے؟ اور گل کا دفاع کیا جُزو سے؟ تو اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو فرمائیے یہ بصیرت پر مبنی ہے یا طُرفہ تماشہ پر؟

یہ معلوم بات ہے کہ روزِ ازل سے حق و باطل کی کشمکش چلی آرہی ہے حتیٰ کہ یوم الفیصل کو اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس میں کئی عوامل کارفرما ہیں۔ مثلاً جہالت کی طغیانی، قومی تعصّب، شخصی حسد و رقابت، ہمعصرانہ چپقلش، دنیاوی مفادات کا نقصان و خُسران، اقتدارِ اعلیٰ سے محرومی یا اقتدار کی خوشامد و تملق وغیرہ وغیرہ ــــــ فی الحقیقت فکرِ عقبیٰ سے بے نیازی انسان کے اندر ایک غیر ذمہ دارانہ رویّہ پیدا کرتا ہے اور کمینہ خصلت لوگوں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب وہ دوسرے کی خوبیاں اور اپنی کمزوریاں صریح طور پر دیکھتے ہیں اور یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کی خوبیاں اُسے بڑھا رہی ہیں اور ان کی کمزوریاں ان کو گرا رہی ہیں تو انہیں یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ اپنی کمزوریاں دور کریں اور اس کی خوبیاں اخذ کریں بلکہ وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو سکے اس کے اندر بھی اپنے جیسی خرابیاں پیدا کریں اور یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس کے اوپر خوب گندگی اچھالیں تاکہ دنیا کو اس کی خوبیاں بے داغ نظر نہ آئیں۔ ایسے نیت کی خرابی اور ارادوں کی ناپاکی مقاصد کی خباثت کے حامل لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے اٹھانا چاہتا ہے ساری دنیا مل کر بھی اس کو نہیں گرا سکتی، بلکہ دنیا جس تدبیر کو اس کے گرانے کا نہایت کارگر اور یقینی گُر اور مؤثر ذریعہ سمجھتی ہے اور سمجھ کر اختیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اسی تدبیر سے اس کے اُٹھانے کی صورتیں پیدا کر دیتا ہے اور ان لوگوں کے حصّہ میں سوائے رسوائی کے کچھ نہیں آتا جنہوں نے اسے گرانا چاہا تھا۔ ایسے بدکردار و بدصفات لوگ منافق اور دل کے روگی ہوتے ہیں اور ان کا غرورِ نفس، دل کی جلن اور کڑھن انہیں اندھی بہری مخالفت، بدی و زشتی پر آمادہ کرتی

ہے، پھر وہ ہر قسم کی رکیک چال چلنے، جان بوجھ کر حقائق نگلنے، نہایت بیباکی سے جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیاروں سے شکست دینے سے باز نہیں آتے اور اس سے ان کے نفس کی پیاس بجھتی ہے۔ دراصل ان کے عقب میں ایک کمزور دل اور بیمار باطن چھپا ہوتا ہے اور وہ جواب دلیل و نظیر سے نہیں دشنام و تحقیر سے دیتے ہیں اور اپنے سفلہ جذبات کی تسکین کرتے ہیں، مگر حقائق نہیں بدلا کرتے ــــ آدمی جب اپنی عقل کو اپنی نفس پرستی کے تابع کر دیتا ہے تو پھر نفس کی گمراہیاں جنگل کی آگ بھی پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ کتنا بڑا مظلمہ اپنی گردن پر لیتے ہیں۔ اس دل گُردے کے لوگ آخر کہاں آسانی سے ملا کرتے ہیں؛ جو سیاسی اور معاشی چوٹ بھی سہیں، فتوؤں کی بھرماریں برداشت کریں اور جھوٹے الزامات کی چوطرفہ بارش کا مقابلہ بھی سکون و صبر سے کریں۔ ع

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام اعظمؒ کی اعلیٰ صفات، کریمانہ خصائل یعنی ارادے کی طاقت، فیصلہ کی قوت، ہمت و شجاعت، مستعدی و جفاکشی، حوصلہ و حمیت، حزم و احتیاط، معاملہ فہمی و حسنِ تدبر، تحمل و برداشت، اپنے مقصد سے عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا اہل ہونا، صبر و ثبات، خودداری و فیاضی، ہمدردی و انصاف، امانت و راستبازی، اعتدال و شائستگی اور سب سے بڑھ کر مقامِ عزیمت ــــ نے قوائے عقلیہ کھوئے ہوئے لوگوں، تنگ نظر حاسدوں، کوتاہ اندیشوں، بے فکر جاہلوں اور بے بصر رقیبوں کو ہمیشہ آگ کے انگاروں پر لوٹایا ہے ؎

احساس و آگہی کی سزا پا رہا ہوں میں
اس کی نظر میں جرم یہی مجھ غریب کا

حوادث کی پیہم یلغار، مخالف قوتوں سے پیکار نے امام اعظمؒ کو کندن بنا دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اللہ پاک نے ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت بخشا۔ بات یہ ہے کہ جس کام میں خالص للّٰہیت اور عوام الناس کی نفع رسانی مدِنظر ہو تو وہ ضرور مقبولِ خالق و مخلوق ہوگا۔ امام اعظمؒ کا ہر قدم بلندی کی طرف، نگاہ آسمان کی طرف اور سمندِ اقبال نے ان قدموں کو چوما اور اسی طرح اُن کو بےمثال اور لازوال شہرت اور منزلتِ عزیمت و امامت حاصل ہوگئی۔ آفرین اُن کی ہمت پر، ان کے استقلال پر سینکڑوں سلام!

وحید العصر امام صاحبؒ تو لاکھوں میں لاجواب، ہزاروں میں انتخاب بلکہ یکتائے روزگار تھے، مگر ؎

معترض ہوتے ہیں وہ وہ لوگ میری نیت پر
جن سے خود اپنا ہی کردار سنور بھی نہ سکا

مگر آپ کے ادارہ نے بھی "دفاع امام ابوحنیفہؒ" لکھ کر اور چھاپ کر ہر لحاظ سے قابلِ ستائش اقدام کیا ہے، وقت کی ضرورت اور امتِ مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرنے پر دلی مبارکباد۔ والسلام!

آپ کا بھائی: احمد سعید خان ایڈووکیٹ

قارئین ـ بنام ـ مدیر

افکار و تاثرات

بنگلہ دیش میں قادیانیت کا تعاقب

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام اسپیڈ بال انڈور کرکٹ سنٹر بریڈ فورڈ نمبر ۵ (برطانیہ) مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز اتوار چھٹی سالانہ ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بنگلہ دیش میں قادیانیت کے فروغ کے سدِ باب پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اجلاس میں منظور کی جانے والی قراردادوں کا متن درج ذیل ہے۔

○ یہ اجتماع حکومت بنگلہ دیش میں قادیانی سرگرمیوں پر سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے چونکہ بنگلہ دیش مسلمانوں کا ملک ہے اور وہاں پچانوے (۹۵) فیصد مسلمان بستے ہیں اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کرنا وہاں کی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لہذا بنگلہ دیش کی حکومت کو چاہئے کہ مسلمانوں کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے قادیانیوں کو بنگلہ دیش میں غیر مسلم قرار دیا جائے۔ اور ان کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے۔ اس کے علاوہ حال ہی میں قادیانیوں نے بنگلہ دیش میں جو قرآن کا ترجمہ شائع کیا ہے وہ تحریف سے پُر ہے۔ اس لئے یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ حکومتِ بنگلہ دیش اس تحریف شدہ ترجمہ پر فوری طور پر پابندی عائد کرے۔

○ یہ اجتماع برطانیہ میں قائم بنگلہ دیشی تنظیموں، مساجد کمیٹیوں کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ بنگلہ دیش میں جاری قادیانی سرگرمیوں کا نوٹس لیں اور حکومتِ بنگلہ دیش کو احتجاجی مراسلات و ٹیلی گرام کے ذریعہ اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے بنگلہ دیش حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ قادیانی سرگرمیوں پر پابندی لگائے اور تحریف شدہ ترجمۂ قرآن پر پابندی لگا کر بنگلہ دیش میں قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان کرے۔ (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لندن)

ڈنمارک میں قادیانی سرگرمیاں

چند ہفتے قبل ڈنمارک جانا ہوا تو وہاں کے حالات سن کر بڑی حیرانگی ہوئی کہ ہر گھر اور گلی کوچے میں مرتد غلام احمد

پرویز کی مغلظات اور قادیانیت کا بہت ہی چرچا اور تاثر پھیلا ہوا ہے۔ سادہ لوح مسلمان عجیب کش مکش کا شکار ہیں۔ شکاری بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایمان و ایقان کی وادیوں کو تہس نہس کر کے اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات پر ڈاکہ ڈال کر باطل افکار و تاثرات کو پھیلا رہے ہیں۔ اس ذہنی خلفشار سے فائدہ اٹھانے کے لئے پاکستان کے بعض نام نہاد مذہبی ٹھیکیدار نے اپنا جال پھینک کر ظلم و ضلالت اور شرک و بدعت کی طرف مسلمانوں کا رخ پھیر دیا ہے۔ فتنہ در فتنہ کی مسموم فضا نے وہ گرم بازاری اور گمراہی قائم کی ہے کہ نوجوان نسل دین اسلام سے ہی بیزار نظر آتی ہے۔ قادیانیت کی طرح اور بھی متعدد فرقوں نے پر پرزے نکال کر پھلنا پھولنا شروع کر دیا ہے۔

درج بالا فتنوں کے سدباب پر مشتمل کوئی لٹریچر ہے تو جلد از جلد روانہ فرمائیں۔ یہ آپ کا قارئین پاکستان پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ حضرات کی مساعی جمیلہ کو درجۂ قبولیت بخشے۔ اور امت محمدیہؐ کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین

خاکپا، اہل حق محمد سلیم مرزا، بریڈفورڈ، انگلینڈ

الحق، شاندار ماضی اور روشن مستقبل

اکتوبر ۹۰ء کا الحق کل کی ڈاک میں نظر نواز ہوا۔ الحق کے سال نو پر ہدیۂ تبریک قبول فرماویں۔ الحق نے اپنی شاندار اور جاندار حیات کی ربع صدی میں جس پامردی، عزیمت استقلال، دلسوزی، دیدہ ریزی، میانہ روی، سلامت فکر شرح صدر اور اعلیٰ بصیرت کے ساتھ وقت کے پیش آمدہ ہر مسئلہ پہ بغیر طمع و لالچ اور بلا خوف لومۃ لائم کے شرعی و دینی نقطۂ نگاہ سے دین و اسلام، ملک و ملت اور مسلم اُمّہ کی جو خدمات سرانجام دی ہیں اور صحیح تعبیر کے ساتھ "عصر حاضر اور اسلام" کا جو معرکہ لڑا ہے۔ وہ اسلامی صحافت کا ایک انمٹ اور زرّیں باب بن چکا ہے ؎

لاکھ دشمن ہو زمین و لاکھ بیری آسماں
"الحق اکوڑہ"
مٹ نہیں سکتی کبھی بھی "میر و غالبؒ کی زباں

آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ آج سے ربع صدی قبل الحق کے پہلے شمارہ کی آمد اس کے تعارف و سرپرستی میں حضرت شیخؒ کا مطبوعہ پُرکشش مکتوب۔ الحق کا سادہ مگر دلنواز ٹائیٹل۔ اس پر عمائدین اور زعمائے ملت کے تبصرے، اکابرین اسلام کی دعائیں اور الحق کی پوری زندگی کے پہلے نقش آغاز کی ایک ایک نورانی سطر کا نقش بغیر کسی قریب تازہ مطالعہ کے دل پہ جوں کا توں قائم ہے۔ نہ جانے موسس اور چیف ایڈیٹر مولانا سمیع الحق کے قلم نے کن جذبات کس خلوص اور کتنے عزم سے پہلے اداریہ میں یہ شعر لکھا تھا ؎

بہائے خویش می دانم بہ نیم جو نمی ارزد اگر مولیٰ کرم سازد بہائم بے بہا گردد

مولائے کریم نے کیا کرم سازی فرمائی؟ الحق کی ربع صدی کی پوری تاریخ اس کا منہ بولتا جواب ہے۔ معاملہ کچھ وہی ہے کہ ؎

کعبہ را ہر دم تجلی می فزود　　این ز اخلاصات ابراہیمؑ بود

آپ نے کیا ستم ڈھایا کہ الحق سے پہلے دنوں کا تعلق یاد دلایا بلاشبہ وہ کچھ اس قسم کا الفاظ کی دنیا میں نہ سمانے والا ایک تعلق تھا ؎

خوشبو کی ایک موج سی دل کے قریب تھی
آغازِ عاشقی میں طبیعت عجیب تھی

بہرحال قلب کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ حق کا یہ فانوس اپنے روایتی اخلاص پیہم اور مسلسل جدوجہد کے ساتھ ہمیشہ روشن رہے اس کا ہر شمارہ اسلاف کی روایات کا امین حال کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور مستقبل کی افادیت کا حامل ہو ؎

آمین آمین لا ارضیٰ بواحدۃ
حتیٰ اضم ابدا الف آمینا

سال نو کے اولین شمارہ کا نقش آغاز اختصار جامعیت اور ایک حدیث پاک کے حوالہ سے بیحد پسند آیا حسن رقم، حسن بیان اور حسن استناد کے تزاید کے لئے دست بدعا ہوں۔ اس حدیث پاک پر ایک اچھوتا مضمون ۱۵ـ ۲۰ سال قبل حضرت والا صاحب مدظلہ کے قلم حقیقت رقم سے بینات کراچی میں بھی شائع ہو چکا ہے اس موضوع پر اگر پھر کبھی لکھنے کی نوبت آئے تو اس مضمون کو مطالعہ میں لانا شاید فائدہ سے خالی نہ ہو۔

الحق کے اس شمارہ کے ایک اور مفصل مضمون نے مجھے بطور خاص صرف متاثر ہی نہیں کیا بلکہ صحیح معنوں میں میرا دل موہ لیا ہے۔ یہ مضمون ۶۹ سے ص ۹۲ تک جناب نور عالم خلیل امینی صاحب کے ہاتھ سے "عراقی جارحیت" پر لکھا ہوا ہے۔ میں نے اس مضمون کو بڑی دلچسپی سے پڑھا اور فاضل مقالہ نگار کو اس کے مطالعہ کے دوران ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ یورپ کی مروجہ سیاست نے کچھ ایسا رنگ دکھایا کہ اچھے اچھے عالمانہ بلکہ عارفانہ شان رکھنے والے لوگ بھی اب صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃً کی تفسیر سے عملی طور پر نا آشنا ہونے لگے۔ ملک و ملت کا جماعت کا اور اقوام عالم کا کوئی بھی مسئلہ کھڑا ہو تو اپنی سوچ اپنی فکر کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔

...یہی وہ لیسانی احزاب اور گروپ بندیوں کے لحاظ سے جس خام خیال لیڈر کا کوئی نغمہ کوئی لہجہ پسند آیا۔ اپنا خیال اور اپنا نظریہ بھی بس وہی بن دیا اور کسی عاقبت اندیشی کے بغیر اپنا سارا وزن اس کے کھاتے میں ڈال دیا۔ ایسی صورت حال میں بجز اس کے اور کیا کہا سکتا ہے کہ ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اُسے کیا کہیے
خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے

عراق نے جب کویت پر حملہ کیا اور اس سنگین تاریخی غلطی کے رد عمل کے طور پر جب امریکی فوج حرمین شریفین پہنچ گئی۔ تو بہت سے اصحاب فکر و دانش عراق اور ان کے ہم نواؤں کے تمام فکر و فریب دجل و تلبیس، شاطرانہ عبارات چالبازیاں اور کرتوت بھول گئے۔ انہیں یاد رہی تو صرف یہی بات کہ مکہ میں امریکہ پہنچ گیا۔

میرے پاس بھی پنجاب سے بعض اہم دوستوں (جن کا شمار اہم علمی اور عوامی شخصیات میں ہوتا ہے) کے خطوط جو آئے تو ان میں سعودی عرب کو خوب لتاڑا گیا۔ ضد، تعصب اور عناد و جہالت کا تو کوئی علاج نہیں۔ لیکن میرے خیال میں غیر جانبدار، دیندار اور ارباب علم و بصیرت کا طبقہ اگر الحق میں شائع شدہ امینی صاحب کا یہ مضمون فرصت کے اوقات میں پڑھ لے تو عراق، کویت کے مسئلے میں معاندین کے ڈالے گئے تمام کانٹے انشاء اللہ نکل جائیں گے سعودی پر وارد تمام اعتراضات کے خس و خاشاک اس مضمون کے سلسبیل سے بہہ جائیں گے۔ کیا بہتر ہو کہ کوئی ادارہ، یا صاحب وسعت فرد یا خود مؤتمر المصنفین اس مضمون کو عمدہ کتابت، بہترین طباعت اور پوری سلیقہ مندی کے ساتھ جناب مدیر الحق کے وقیع جامع اور مختصر پیش لفظ سے کتابی شکل میں شائع فرمادے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی اور بہت سے منصف مزاج اور غیر متعصب لوگ عراق کویت مسئلہ پر صحیح نقطہ نظر اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ دیکھئے اس مضمون کی کتابی شکل کی سعادت کس ادارہ یا کس فرد کے قسمت میں آتی ہے ؎

گوئے میدان سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

قاضی عبدالحلیم کلاچوی، سابق استاد و نائب مفتی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

مطبوعہ مضامین اور قارئین کے تاثرات

جناب نور عالم خلیل امینی صاحب کا عراق جارحیت سے متعلق مفصل مدلل اور معلوماتی حقائق پر مبنی ایک قابل قدر تاثراتی تجزیاتی رپورٹ شائع کرنے پر ہدیۂ تبریک قبول فرماویں۔ (عبدالرحمن اچکزئی)

○ ماہنامہ الحق اکتوبر میں تبلیغی جماعت کے بارہ میں مولانا عبدالقیوم حقانی نے اظہار خیال کرتے ہوئے اس کے روشن اور کمزور پہلو پر بحث کرکے دونوں پہلو کو واضح کر دیا ہے چونکہ آپ مخلصانہ طور پر بحث کرتے ہیں تو اس میں کوئی پہلو تشنہ نہیں ہوتا۔ اس دور میں کسی جماعت کے بارہ میں صدفی صد دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جماعت حقانیت کا مجسمہ ہے

ورنہ یہ جماعت ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہے۔ آپ نے تبلیغی جماعت کے خصائص و اوصاف تفصیل سے تحریر فرمائے ہیں۔ (مولانا سعد الدین مردان)

◯ اکتوبر کے پرچے میں آپ کے تبلیغی جماعت والے مضمون سے کلاً اتفاق اس لئے نہیں کرتا کہ اس جماعت کی بہت خامیاں تھیں آپ نے بھی بعض کی طرف اشارہ کیا ہے اور اکابرین کو توجہ بھی دلائی ہے تاہم مثبت کام کے ساتھ خامیوں کی اصلاح پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہئے۔ (محمد خلیل اللہ حقانی لبینڈ)

◯ اکتوبر کے شمارہ میں جناب ڈاکٹر جمیلہ صاحب کے مضمون میں امام شافعیؒ کے شجرہ نسب میں آخر میں جو عبد المطلب بن عبد المناف لکھا گیا ہے وہ صاحب صرف " المطلب " تھے اور حضور پاک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے دادا جناب عبد المطلب کے چچا تھے۔ اور جناب ہاشم کے بھائی تھے۔ جناب عبد المطلب (حضور پاک کے دادا) کا نام شیبہ تھا۔ اور آپ کے چچا المطلب جب آپ کو ان کے ننھیال یثرب (مدینہ منورہ) سے لائے تو لوگوں نے سمجھا کوئی غلام خرید لائے ہیں تو نام "عبد المطلب" پڑ گیا۔ پوری کہانی آپ نے پڑھی ہوگی۔ کہ ان المطلب نے ہی خاندان کو بنو ہاشم کا حصہ بنا دینے کی وصیت کی تھی۔ اس وجہ سے یہ غلطی عام ہے اور آپ کے ایک بیٹے کا نام حارث تھا۔ اور حضور پاک کے چچا بھی ایک حارث تھے جن کے سلسلہ میں اور مشابہ کے ساتھ اکثر غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔

الحق قادیانیوں کے بارے میں بڑے صحیح الفاظ میں قادیانیوں کی سازشں سے پردے اٹھانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے۔ اس سلسلہ کے معیاری مضامین سے الحق کا معیار مزید بلند ہوگا۔ (میجر امیر افضل خان، راولپنڈی)

◯ کویت پر عراقی جارحیت والے الحق کے مضمون سے ہمیں اتفاق نہیں۔

(محمد شعیب و عبد الکریم باجوڑ ایجنسی)

اس موضوع پر قرآن و حدیث سے ماخوذ موقف اور مبنی بر حقائق اختلاف تحریر کے لیے الحق کے صفحات پیش خدمت ہیں۔ (الحق)

(۲۴) **امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نظریہ انقلاب و سیاست** از مولانا عبد القیوم حقانی ــــ سیاست کا مفہوم و تشریح، امام اعظمؒ کا سیاسی مسلک و کردار، ہمہ گیر انقلابی تحریک اور نصب العین، سیاست میں شرافت کے اصول اور جبر و ظلم کے مقابلے میں استقامت و پامردی اور موجودہ دور میں سیاسی عمل کے راہنما اصول ــــ صفحات ۶۴، قیمت ۷/ روپے

(۲۵) **خطبات حقانی** (جلد اول) افادات، مولانا عبد القیوم حقانی ــــ دین و شریعت، علم و عمل اور مختلف اہم عنوانات پر مولانا عبد القیوم حقانی کے مؤثر خطبات اور ولولہ انگیز تقاریر کا مجموعہ صفحات ۱۲۵، قیمت ۱۸/ روپے

مؤتمر المصنفین، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

مکتبہ بیّنات کی مطبوعات

آپ کے مسائل اور اُن کا حل حصہ اول — قیمت ۱۲/-
گیارہ سال سے روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے دل چسپ سوال و جواب کا بے مثال مجموعہ

اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ اول — قیمت ۳۰/-
ایک بہت ہی سنجیدہ متین اور ٹھوس علمی کتاب جس کے مطالعہ سے ذہن کی بہت سی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم (مکمل دو حصے) قیمت — قیمت ۳۰/-
فروعی مسائل میں نوعیت اختلاف کی وضاحت اور مسلک اعتدال کی نشان دہی کی گئی ہے۔

عہدِ نبوت کے ماہ و سال — قیمت ۷۵/-
سیرت طیبہ پر ایک اچھوتی کتاب جس سے معلوم ہوگا کہ کونسا واقعہ کس ماہ اور کس تاریخ کو پیش آیا ایک بہترین کتاب

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ — قیمت ۳۰/-
خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی قابل تقلید سوانح حیات پر تسنیم و کوثر سے دھلی زبان پر مشتمل اچھوتی کتاب

بینات کی اشاعت خاص حضرت بنوریؒ نمبر — قیمت ۱۲۰/-
قافلہ سالار امام دعوت و عزیمت اور یادگار اسلاف حضرت بنوریؒ کی حیات طیبہ پر اہل قلم کے مضامین کا حسین گلدستہ

بینات کا رجم نمبر — قیمت ۱۰/-
کتاب و سنت اور اجماع امت سے رجم کے شرعی حد ہونے کے دلائل پر مشتمل اہم دستاویز۔

ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت — قیمت ۱۲۰/-
اسماعیلی مذہب پر ایک جامع، مستند اور محققانہ کتاب،

ترجمہ فرمان علی پر ایک نظر — قیمت ۱۰/-
شیعوں کے عقیدۂ تحریف قرآن کو شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے۔

عصر حاضر احادیث نبویؐ کے آئینے میں — قیمت ۲۱/-
عصر حاضر اور اس کی زبوں حالی کی نشاندہی پر مشتمل احادیث نبویہ کا ایک بے مثال انتخاب۔

خمینی و اثنا عشریہ کے بارہ میں علماء کرام کا فیصلہ (مکمل دو حصے) — قیمت ۳۰/-
شیعہ اثنا عشریہ کے بارہ میں علماء امت کا فیصلہ جس میں ان کے عقائد کی روشنی میں ان کے دعویٔ اسلام کو چیلنج کیا گیا ہے۔

عورت کی سربراہی — قیمت ۱۰/-
جس میں کتاب و سنت کی روشنی میں عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملفوظات حضرت رائے پوریؒ — قیمت ۶/-
شاہ عبد القادر رائے پوریؒ کے علوم و معارف اور ملفوظات کا حسین گلدستہ۔

شیعیت اہل بیت اور فارسی مجوسیت کی نظر میں — قیمت ۹۰/-
شیعیت اور اسلام کے تقابلی مطالعہ پر ایک مکمل کتاب جس میں شیعہ عقائد و نظریات اور ان کے مختلف فرقوں کے عقائد کی تفصیل ہے

کیا ذکری مسلمان ہیں؟ ذکریوں کے بارے میں ایک اہم فتویٰ — قیمت ۶/-
ایک ایسے فرقے کے عقائد کی تفصیل اور ان کا حکم جو شریعت محمدیہ کو منسوخ سمجھتے ہوئے بھی مسلمان جانا جاتا ہے۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل حصہ دوم — قیمت ۱۵۰/-
طہارت، نماز کی فرضیت و اہمیت، نماز کے مسائل، مسجد کے مسائل، اذان و اقامت، سمت قبلہ اور دیگر مسائل

مکتبہ بیّنات

جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی۔ ۵

amjad 90

مولانا عبدالقیوم حقانی

تبصرہ کُتب

مولانا ابوالکلام آزاد (آثار و افکار)	تالیف ۔ پروفیسر محمود واجد ہاشمی ۔ صفحات ۱۲۰ ۔ قیمت ۲۵ روپے پتہ ۔ مکتبہ شاہد، علی گڑھ کالونی ۔ کراچی ۴۱

بظاہر تو بات اتنی سی ہے کہ جناب پروفیسر محمود واجد صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد سے قریبی تعلق اور تلمذ کا رشتہ رکھنے والی ایک شخصیت محمد ابراہیم زکریا عرف مسٹر صاحب کو دریافت کیا ان کی صحبت سے خود استفادہ کیا ان کے سوانح ضروری حالات اور مولانا آزاد کے بارے میں ان کے خیالات کو انٹرویو کے ذریعہ مرتب کیا نیز ان کے پاس مولانا مرحوم و مغفور کے جو نادر غیر مطبوعہ خطوط تھے انہیں حاصل کر کے مرتب کر دیا اور ان کی اشاعت کے ذریعے ان علمی و تاریخی جواہر پاروں کے فیضان عام کا انتظام کر دیا ۔ مگر مولانا آزاد کے یہ خطوط علم و فکری لحاظ سے بہت اہم، اور مولانا کے بعض حالات اور سیرت کے بعض پہلوؤں کی تعیین میں واضح نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ مجموعے کا پہلا خط تو معارف کا سرچشمہ، بصائر و حکم کا گنجینہ، نہایت روح پرور اور ایمان افروز ہے ۔ اس مختصر مجموعہ خطوط میں مولانا کے اسلوب نگارش کی دل ربائی اور افکار کی عطر بیزی کا عالم ہی دوسرا ہے ۔ تالیف کے آخر میں "اشارات درس قرآن حکیم" کا عنوان ہے ۔ یہ مولانا کے درس قرآن حکیم کے مجمل نوٹس ہیں جو مرحوم زکریا نے لئے تھے ۔ بلاشبہ اس میں بعض مطالب بہت اہم اور فکر انگیز ہیں ان سے مولانا آزاد کے مطالعے کی وسعت و جامعیت اور ان کے فکر کے ارتقاء کا اندازہ ہوتا ہے ۔ تاہم بعض جگہ صرف کوئی نام، یا غیر متعلق اور بے معنی جملہ ہے جسے مرتب نے اپنے لئے اشارہ لکھا ہوگا ۔ جو اب بعد والوں کے لئے معمہ بن سکتا ہے ۔ شروع میں معروف سکالر اور ابوالکلامیات کے محقق جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے ۹ صفحات کا جامع اور وقیع مقدمہ اور ۸ صفحات کا تعارفی مقالہ ہے جسے کتاب کی روح کہا جا سکتا ہے ۔

پیش نظر مجموعہ مکاتیب امید ہے کہ علمی، ادبی، تاریخی اور ابوالکلام آزاد سے ارادت رکھنے والے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔

خطبات و مواعظ جمعہ	تالیف ۔ مولانا حافظ مشتاق احمد عباسی ۔ صفحات ۵۸۲

قیمت ۱۲۰ روپے ۔ ملنے کا پتہ :۔ ادارہ صدیقیہ نزد جیمین ٹی وی سلوا گارڈن ولسیٹ نشتر روڈ ۔ کراچی ۳

جمعہ کا دن مسلمانوں کے اتحاد و اجتماعیت کا مظہر ہے۔ اس دن کو عام دنوں پر افضلیت حاصل ہے اور خطیب خطباء حضرات کے لئے جمعہ کا بیان مناسبت و موقع کے اعتبار سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ وہ خطباء جن کے پاس علم کی دولت ہے۔ اور کتب بھی موجود ہیں ان کے لئے بعض اوقات موضوع کا تعین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اگر وقت نہ ہو تو پھر موضوع اور اس کا مواد دونوں مشکل ہوتے ہیں۔ باقی وہ حضرات جو باقاعدہ عالم نہیں ہیں یا کتب بوجہ غربت نہیں خرید سکتے ان کے لئے مواد اور موضوع کا تعین دونوں اہم ہوتے ہیں۔ "خطبات و مواعظ جمعہ" نے یہ مشکل آسان کردی کہ اسلامی مہینوں کی مناسبت سے ہر ماہ کے پانچ وعظ مفصل مرتب اس میں موجود ہیں۔ ہر وعظ قرآن و حدیث، بنیادی عقائد، اعمال حسنہ، تاریخی واقعات اور مناسب اشعار سے مزین ہے۔ بیک وقت ان سب چیزوں کا یک جا مل جانا نعمت عظیمہ ہے۔ نیز انداز سادہ اور عام فہم ہے تاکہ ہر خطیب بآسانی فائدہ اٹھا سکے کتاب کی تالیف میں مستند ماخذ سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔ اور بڑی عرق ریزی اور احتیاط کے ساتھ کام لیا گیا۔ نیز اکثر خطبوں کی ابتداء میں موقع کی مناسبت سے بہت عنوانات و موضوعات کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے تاکہ خطیب اپنی صوابدید سے کسی موضوع پر بھی بیان کرلے۔ جس خطیب صاحب کے پاس یہ کتاب ہوگی اس کو اب زیادہ ورق گردانی کی ضرورت نہ رہے گی۔ کیونکہ بہترین مواد یک جا اس میں موجود ہے۔

عام پڑھے لکھے حضرات کے لئے بھی یہ کتاب قیمتی تحفہ ہے جس کے مطالعہ سے عقائد کی درستگی، اعمال کا شوق اور معلومات میں اضافہ ہوگا۔ گرانی و مہنگائی کے اس زمانہ میں ایسی کتاب کا ہونا گویا سینکڑوں کتابوں کا ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کوشش کو قبول فرمائیں۔ آمین

سازش کا پردہ چاک ہوتا ہے تصنیف۔ پروفیسر محمد اسلم رانا۔ ضخامت ۴۰ صفحات۔ قیمت چار روپے (کے ڈاک ٹکٹ) ناشر۔ مکتبہ "المذاہب" ملک پارک شاہدرہ لاہور۔

محترم جناب رانا صاحب کے نزدیک عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ مذہبی جنونی مسلمان اقلیتوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور ان کے زیر اثر ۴۲ برس سے پاکستانی حکومتوں نے اقلیتوں کو مصائب و آلام کی سولی پر چڑھا رکھا ہے جس کی سزا بھارت میں مسلمانوں کو بھگتنی پڑتی ہے محل نظر ہے۔ انہوں نے عالمی منظر کی روشنی میں بالغ نظری سے مذکورہ مسیحی نظریہ کا محنت اور جانفشانی سے تحقیقی جائزہ لیا۔ مؤلف نے درج ذیل عنوانات عیسائیوں کا سفید جھوٹ۔ بھارت میں مسلم کشی کی بنیاد۔ اسلام اور ہندو مت۔ تقسیم ہند کا پس منظر۔ ہندو مسلم دشمنی کی انتہا کا نشان۔ پاکستان، بھارت میں مسلمانوں کے موجودہ قتل و غارت کا منظر۔ ہندوستان ہندوؤں کے لئے اور بھارتی سیکولرزم۔

اقلیتوں کی پاکستان دشمن سرگرمیوں، قیام استحکام پاکستان کی ضرورت و اہمیت اور سیکولرزم کے علمبردار ہندو بھارت کے مکروہ عزائم جاننے کے خواہشمندوں کے لئے یہ کتاب بیش بہا معلومات کا مخزن ہے (عبدالقیوم حقانی)

نوٹس برائے طلبی ٹینڈر

مندرجہ ذیل کاموں کے لیے اری گیشن اور پبلک ہیلتھ انجنیئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے لیے منظور شدہ ٹھیکیداران سے جنہوں نے سالانہ رجسٹریشن برائے سال ۹۱/۱۹۹۰ء کی تجدید کرالی ہو، سر بمہر ٹینڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	کاموں کے نام	تخمینہ لاگت	زرِ ضمانت	مدت تکمیل	ٹینڈر کھولنے کی تاریخ
۱	سیکٹر ایریا میں کٹہ نیکنام کی مرمت	۴۱۴۰۰/-	۸۲۸/-	ایک ماہ	۲ جنوری ۱۹۹۱ء
۲	موضع سنڈاس میں حفاظتی کاموں کی مرمت اور کٹہ سنڈاس میں سیلاب سے بچاؤ وغیرہ	۶۳۰۰۰/-	۱۲۶۰/-	"	"
۳	کٹہ بکیانہ ہریانہ گاؤں میں مسنری وال کی مرمت وغیرہ	۲۵۲۰۰/-	۵۰۶/-	"	"
۴	کٹہ کہنہ اور کٹہ جمٹ میں بائی فرکیشن کی مرمت	۲۹۶۰۰/-	۵۹۲/-	"	"
۵	موضع گوجر دوآبہ کے نزدیک کٹہ کہنہ میں ویٹنگ وال اور بائی فرکیٹر کی مرمت	۱۴۵۰۰۰/-	۲۹۰۰/-	"	"
۶	کٹہ مزارا، مرزوئی اور مارسنگ دوآبہ ایریا میں شکستہ ٹرائی فرکیٹر کی مرمت	۸۳۰۰۰/-	۱۶۶۰/-	"	"
۷	کٹہ کٹیالہ ناڈ میں ٹیل کلسٹر کی مرمت	۶۳۰۰۰/-	۱۲۶۰/-	"	"
۸	کٹہ کہنا اور کٹہ لنڈی کے درمیان بائی فرکیشن کی مرمت	۷۰۰۰۰/-	۱۴۰۰/-	"	"
۹	خیالی دریا میں کٹہ کٹیالہ ناڈ میں ڈائیورشن کی مرمت وغیرہ	۶۲۰۰۰۰/-	۱۲۴۰۰/-	دو ماہ	"
۱۰	خیالی ریور میں سکٹر کے بند کی مرمت	۴۷۰۴۰۰/-	۹۴۰۸/-	"	"
۱۱	کٹہ موہینہ میں صفائی اور ڈائیورشن بند کی مرمت وغیرہ	۵۶۰۰۰۰/-	۱۱۲۰۰/-	"	"

نمبر شمار	کاموں کے نام	تخمینہ لاگت	زرضمانت	مدت تکمیل	ٹینڈر کھولنے کی تاریخ
۱۲	موضع شیخاں میں کٹہ جمیٹ اور کٹہ کہنہ کے ریٹننگ وال کی مرمت وغیرہ	۱۳۰۶۸۸/-	۲۶۱۴/-	ایک ماہ	۲ جنوری ۱۹۹۱ء

شرائط

(۱) درخواست برائے وصولی ٹینڈر فارم مقررہ تاریخ سے ایک دن قبل زیر دستخطی کے دفتر پہنچ جانی چاہیئے۔ اور پھر مندرجہ بالا تاریخوں پر مستحق ٹھیکیداران کو فارم جاری کیے جائیں گے۔ سربمہر ٹینڈر مقررہ تاریخ کو دن ۱۱ بجے تک وصول کیے جائیں گے اور اُسی دن ایک بجے ٹھیکیداروں کے رُوبرو کھولے جائیں گے۔

(۲) دو فیصد کی شرح سے کال ڈیپازٹ کی شکل میں بحق ایگزیکٹو انجنیئر پشاور کینال ڈویژن ٹینڈر کے ساتھ منسلک ہونی چاہیئے۔

(۳) کام منظور ہونے پر ٹھیکیدار سات دن کے اندر ایگریمنٹ کرے گا۔ بصورت دیگر ۲ فیصد E/MONEY بحق سرکار ضبط کرائی جائے گی اور کام کو دوبارہ ٹنڈر کیا جائے گا۔

(۴) سیمنٹ سرکاری گودام سے بحساب فی بوری مبلغ ۱۰۸/۴ روپے مع ۵ فیصد سرچارج دیا جائے گا بشرطیکہ سرکاری گودام میں موجود ہو۔

(۵) زیر دستخطی وجہ بتائے بغیر ٹنڈر کو منظور یا نامنظور کرنے کا حق رکھتا ہے۔

مہتمم محکمہ آبپاشی پشاور
ایگزیکٹو انجنیئر
پشاور کینال ڈویژن
پشاور

INF(P) 4461